ماہنامہ
الحقیقہ
پاکستان
مجلہ
ستمبر 2005

ماہِ ستمبر کی تقریبات
اداریہ

شبِ برات اور شعبان شریف

اسلام اور شیطان کے سپوت

ملتِ اسلامیہ اور عقیدہ ختمِ نبوت

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ
کیسا پاکستان چاہتے تھے؟

جھوٹا
مرزائیت کے حوالے سے حیرت انگیز تحریر

ثنائے حبیب خدا

علیہ التحیۃ والثناء

واہ وا سرکار کی کیا شان ہے　　سب زمانہ آپ پہ قربان ہے
اس پہ اپنا ناز ، اپنا مان ہے　　جو ہمارا دین ہے ، ایمان ہے
آپ محبوبِ خدا ہیں بالیقیں　　سب خدائی آپ پہ قربان ہے
ٹھیک کہتا ہوں ، قسم قرآن کی　　مصطفےٰ کا قول بھی قرآن ہے
پاک وہ بھی کیوں نہ ہو ہر عیب سے　　جو خدائے پاک کی برہان ہے
غیر کو حیرت ہے جو معراج پر　　اُس کی اس حیرت پہ دل حیران ہے
جو خدا کا ہے عدو ، کافر ہے وہ　　جو نبی کا ہے عدو ، شیطان ہے
شرک تعظیمِ نبی کو جو کہے　　اس کو سمجھو شرک کا سرطان ہے
کس نے انساں کو کیا خود آشنا　　ان سے کیوں باغی ہو ، جو انسان ہے
جس کو جو عظمت ملی ، ان سے ملی　　ہاں مدینہ عظمتوں کی کان ہے
دل تہِ دل سے فدا سرکار پر　　جان بھی سو جان سے قربان ہے
ان پہ مرجائیں ، یہی ہے زندگی　　ان پہ مٹ جائیں یہی ارمان ہے
دشمنانِ مصطفےٰ سے صلح کیوں　　اُن سے ہر دم جنگ کا اعلان ہے
حیف ہے ان کو کہیں خود سا بشر　　جن کا جبریل امیں دربان ہے

شیخ سے مل کے کہی آسیؔ نے نعت
خود کہی ہو شیخ نے ، امکان ہے

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم

﴿پروفیسر محمد حسین آسیؔ﴾

طلبہ دین حق کی عظیم تحریک شیران اسلام کا ترجمان

ماہنامہ

الحقیقہ

پاکستان

شمارہ 12 جلد نمبر 5

شعبان المعظم ۱۴۲۶ھ ستمبر 2005ء

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ

اے نبی جہاد کرو کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کرو

فہرست

زر تعاون

پاکستان فی پرچہ 15 روپے سالانہ بذریعہ ڈاک -/150		
	فی پرچہ	سالانہ چندہ
یورپ	1 پونڈ	10 پونڈ
یو ایس اے	1.5 ڈالر	15 ڈالر
عرب ممالک	5 ریال	30 ریال

لاثانی بک اینڈ کمپوزنگ سنٹر ریلوے روڈ نزد سٹیشن ہاسٹل گڑھ

پبلشر ... 0542-451734

رابطہ صوفی محمد آصف نقشبندی ...

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

یونس۔۶۲

ترجمہ: سن لو اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم

کلمۃ الحقیقہ اداریہ

تاریخ پاکستان کے حوالے سے

سرپرست اعلیٰ کے قلم سے

ماہ ستمبر کی اہم تقریبات

تاریخ پاکستان کے حوالے سے ستمبر میں آنے والی تقریبات میں سب سے اہم تین ہیں:

(۱)۶ستمبرہ (۲)۷ستمبر (۳)۱۱ستمبر

۶ستمبر (یوم دفاع): پاکستان کی تاریخ میں ایک نہایت ہی درخشاں دن ہے ۶ ستمبر کا جسے قوم یوم دفاع کے نام سے مناتی ہے۔ ہوا یہ کہ ۱۹۶۵ء میں بھارت نے بغیر کسی اطلاع کے بالکل چوروں کی طرح پاکستان کے بارڈر پر حملہ کر دیا اور کچھ آگے بھی نکل آیا۔ صدر ایوب نے کلمہ طیبہ کا ورد کر کے افواج پاکستان کو جہاد کی اجازت دے دی اور پھر جلد ہی مختلف محاذوں پر چور فوج واپس بھاگنے پر مجبور ہوگئی۔ مسلمانان پاکستان کی اس نمایاں اور مثالی کامیابی کی سب سے بڑی وجہ تو یہی کلمہ طیبہ کا ورد تھا، دوسرے لفظوں میں وہ ایمان کے جذبے سے لڑ رہی تھی اور ظاہر ہے ایمان سے بڑی کوئی طاقت نہیں۔ قرآن پاک میں ہمارے رب العلمین کا دوٹوک وعدہ ہے کہ ایمان اگر تمہارے سینوں میں موجود ہے تو پھر تمہیں غالب آؤ گے

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین ۰ (آل عمران۔۱۳۹)

ترجمہ: اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ تمہیں غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو

ہماری ملی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ مسلمان کا سب سے اہم اسلحہ سامان نہیں بلکہ ایمان ہے۔ کفر واسلام کا اولین معرکہ غزوۂ بدر ہی تو تھا اور اس کی کامیابی کا ایک اہم راز بھی آسمانی فرشتے تھے۔ قرآن پاک نے اس کا ذکر کیا اور پھر یہی صورت حال غزوۂ حنین کے موقع پر ہوئی۔ مسلمانوں میں ہلچل مچ گئی تو آسمانی فوج نازل ہوگئی۔ اسی کے پیش نظر اقبال نے عاشقانہ شعر فرمایا ہے

بمشتا قاں حدیث خواجہ بدر و حنین آور

تصرفہائے پنہانش بچشم آشکار آمد

مومن اپنے رب کے فضل سے کبھی مایوس نہیں ہوتا کیونکہ وہ قادر مطلق ہے اور اس کے لشکر غیر متناہی ہیں۔

وما یعلم جنو د ربک الا ھو (المدثر۔۳۱)

ترجمہ: اور تمہارے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا

لہٰذا جہاں کہیں اور جب کبھی گھمسان کا رن پڑا، اللہ پر اور اس کے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم پر ایمان مضبوط اور ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہونا چاہئے۔ گویا وہی بات جو رمز شناس شاعر نے فرمائی ہے۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

بلاشبہ اللہ کے فضل سے اللہ کی فوج کی جس جس انداز میں مدد ہوتی ہے، شرک وتثلیث کے فرزند اسے سوچ بھی نہیں سکتے۔ گذشتہ دنوں بھارت میں ایک نعرہ لگایا گیا ''ہندوؤں کے تینتیس کروڑ اور مسلمانوں کا صرف اللہ''۔ خود مجھے اس نعرے سے کسی حد تک سرور آیا کہ تینتیس کروڑ کی بجائے نوے ارب ہی کہہ لو، ان کی کیا حیثیت ہے۔ یہ بیچارے کس کام کے کس کی بگڑی بنا سکیں، کس کی مشکل حل کر سکیں، بے حس، بے قوت، بے سمع، بے بصر، ہمارا ایک اللہ قادر مطلق، ہمیں وہی کافی، بلکہ سب کو وہی کافی جو زمینوں آسمانوں کو چلا رہا ہے، زندگی وموت کا مالک، عزت وذلت کا مالک، جس تنکے کو چاہے ہمالہ سے زیادہ طاقتور بنا دے اور جس پہاڑ کو چاہے تنکے سے زیادہ کمزور کر دے۔

ہاں ہاں وہ اللہ ہے ہمارا مددگار، صدق دل سے اسے پکارو تو جیسے چاہے مدد فرما دے اور جسے چاہے مدد کو بھیج دے۔ اس کا کوئی شریک، ساجھی اور ہمسر نہیں، نہ ذات میں نہ صفات میں۔ جس کے پاس جو طاقت ہے، اسی کی عطا فرمودہ ہے اور جس کے پاس جو طاقت تھی، ہے، یا ہوگی، اسی کے فضل سے ممکن تھی، ہے اور ہوگی۔ چنانچہ کہیں اس نے فرشتے بھیج دیے اور کہیں اپنے اولیاء۔ نہ فرشتوں کے ذریعے امداد کرنا شرک ہے اور نہ اولیاء کے ذریعے۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں کئی جنگیں اللہ والوں کی دعاؤں سے لڑی گئیں اور جب کہ بعض ان کے تصرفات سے۔ چنانچہ ۱۹۶۵ء میں مختلف محاذوں پر لوگوں نے بلکہ پاکستانی اور ہندوستانی فوج نے بھی اپنی آنکھوں سے انھیں دیکھا۔ ان اولیاء وشہداء کا وہی فائدہ ہوتا ہے جو فرشتوں کا۔ مثلاً اپنوں کے دلوں کی تشفی وسکینہ اور مخالف فوج کے دل میں خوف وہراس۔

۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاکستان کی خوش قسمتی یہ بھی تھی کہ مختلف محاذوں پر اللہ والے کثیر تعداد میں تشریف لائے اور شریک جہاد ہوئے۔ مختلف محاذوں پر اولیائے سابقین، اولیائے متاخرین بلکہ اولیائے حال بھی متعین فرمائے گئے۔ کہیں حضور شاہ لاثانی، کہیں شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوری، کہیں حضرت گولڑوی جیسے بے شمار حضرات قدست اسرارھم، مجھے خوب یاد ہے چونڈے کے محاذ سے ایک صاحب جنگ کے بعد دربار شہنشاہ لاثانی میں حاضر ہوئے اور اچھی طرح پہچان کر سیدی حضور نقش لاثانی قدس سرہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوگئے (انھوں نے بتایا کہ توپ کے گولے ختم ہوگئے تھے پھر بھی حضور دیتے رہے اور میں فائر کرتا رہا)

اسی جنگ کے بعد جمعیت العلماء پاکستان کا ایک وفد مختلف محاذوں پر پھر کر معلومات حاصل کر رہا تھا، چنانچہ شہر سیالکوٹ میں بھی اس کا جلسہ ہوا۔ حضرت مولانا عبدالحامد بدایونی اور حضرت علامہ محمد شفیع اوکاڑوی علیہما الرحمہ بھی اس وفد میں شامل تھے۔ ان میں سے ایک صاحب نے بتایا کہ سیالکوٹ کے قریبی بارڈر پر ایک میجر کی روایت کے مطابق فوجی گاڑی خراب ہوگئی تھی تو اچانک ایک بزرگ نمودار ہوئے، انھوں نے اپنا دست مبارک لگایا تو گاڑی سٹارٹ ہوگئی۔ اسم شریف پوچھا تو فرمایا 'علی'۔ اب یہ نام پاک اپنی مشہور ترین نسبت کے اعتبار سے حضور مولائے کائنات اخو الرسول زوج البتول حضرت سیدنا علی المرتضیٰ صلی اللہ علیٰ نبینا وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم مولانا صاحبان فرماتے ہیں پہلے ہم یہی سمجھے، پھر بعد میں یاد آیا حضرت داتا گنج بخش قدس سرہ کا اسم شریف بھی یہی ہے، شاید اس سے آپ مراد ہیں۔ اور اب سیالکوٹ آ کر معلوم ہوا۔ یہاں کے شہنشاہ

حضرت سیدنا امام علی الحق کا اصل اسم شریف بھی تو یہی (علی) قدس سرہ ہے چونکہ یہ آپ کا علاقہ ہے، لہذا زیادہ امکان یہی ہے کہ اس محاذ کے فوجی معاملات آپ ہی کے سپرد ہوں۔

لاہور کے مشہور حکیم نیر واسطی مرحوم کی روایت کے مطابق شام میں مؤذن رسول ﷺ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے مزار کے مجاور نے بتایا کہ ان دنوں مزار شریف سے باقاعدہ آواز آیا کرتی تھی۔

ھلموا الی الجھاد ھلموا الی الجھاد (آؤ جہاد کی طرف، آؤ جہاد کی طرف)

انھیں پاکان امت کی برکت تھی کہ پوری قوم سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح یکجان و یکدل تھی۔ پوری جنگ کے دوران کسی نے کسی پر غداری و جاسوسی کا الزام نہ لگایا۔ حقیقت یہی ہے کہ کفر جو ہر طرف دندناتا پھر رہا ہے، اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ایمان کامل کی شدید ترین ضرورت ہے اور پھر اتحاد و یکجہتی کی۔ اس وقت بالخصوص شیطان اور اس کی ساری اولاد میدان جنگ میں آگ کا کھیل کھیلنے کے لئے ہمہ تن تیار نظر آتی ہے، امت مسلمہ کو بھی عشق رسول ﷺ کے نشے سے سرشار اور یکجان و یکدل ہو کر میدان میں اتر آنا چاہئے۔

کون نہیں جانتا اسی سے تقریباً چھ سال بعد پھر بھارت نے ٹکر لی، مگر اب یہاں بہت انتشار تھا۔ نتیجہ یہ ہوا نہ وہ اللہ والوں کی نظر رحمت و شمولیت ہوئی اور نہ ہم کامیاب و کامکار ہوئے بلکہ ملک دولخت ہو گیا اور پوری دنیا میں بڑی رسوائی بھی دیکھنی پڑی۔

ہماری موجودہ حکومت 'دفاع' میں بظاہر بڑی دلچسپی رکھتی ہے مگر افسوس! اس کی سوچ مومنانہ نہیں ہے۔ اسے یہ معلوم ہی نہیں کہ مومنوں کی فتح کے لئے سب سے اہم ہتھیار 'ایمان' ہے۔ ہماری حکومت ایمان کے بارے، بہت بے نیاز بلکہ یوں سمجھو باغیانہ سوچ رکھتی ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ پورا زور لگا کر یہاں عوام و خواص کی ایسی تربیت کی جاتی کہ سب ایمان کی اہمیت سے آگاہ ہو جاتے اور سب عشق رسول ﷺ سے سرشار ہو کر خوف غیر اللہ سے پاک ہو جاتے۔ یہاں کی فوج اپنے اللہ کے حضور جھکنے کی عادی ہوتی۔ حلال و حرام کا امتیاز پروان چڑھتا اور ان کی ہیبت مومنانہ سے کفر و شرک کے بڑے بڑے علمبردار لرزہ براندام ہوتے۔ مگر افسوس جناب پرویز مشرف نے بڑے تکلف سے عوام و خواص میں 'بے حیائی و عیاشی' پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ اس کا نصاب تعلیم بلکہ نظام تعلیم بھی کافرانہ ہوتا جا رہا ہے۔ ہر گھر سینما گھر بنتا جا رہا ہے یہاں تک کہ بہن بھائی اور ماں بیٹے کے رشتے کا تقدس بھی مٹتا جا رہا ہے۔ شہروں کی سڑکوں کو دیکھ لیں، بڑے بڑے بورڈوں پر نہایت ہی فحش تصاویر کھڑی کر دی گئی ہیں۔ ہم تو سنتے تھے کہ مشرف کی تربیت نہایت پاک و صاف ماحول میں ہوئی ہے مگر اس کی کارکردگی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے یہ از حد تاریک ماحول کی پیداوار ہے، جہاں شرم و حیا کا گزر تک نہیں ہوا۔ خدا جانے اسے غیرت سے کیا بیر ہے۔ جس طرح غیور آدمی بے غیرتی کو پسند نہیں کرتا۔ یونہی اس کے بالکل برعکس بے غیرت آدمی غیرت کو برداشت نہیں کرتا۔ مگر میری پوری زندگی میں اس کی یہ پہلی مثال ہے جو پرویز مشرف کی شکل میں دیکھ رہا ہوں۔ خداوند کریم اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل پوری قوم کو اس سے یا اس کی بے غیرتی و بے حیائی سے بچالے۔ یہ ملک پاکستان ہے، یعنی پاک ہے، یہاں تو اسے حکمران ہونا چاہئے جو ایمان والا شرم و حیا والا ہو خدا اور اس کے حبیب ﷺ کا عاشق ہو۔

۷ ستمبر: ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء وہ دن تھا جب قادیانیوں کو یعنی مرزا غلام احمد نامی ملعون کی نام نہاد امت کو پاکستان اسمبلی نے اقلیت قرار دیا۔ یقیناً یہ بڑا اہم فیصلہ تھا، خدا کا شکر ہے آخر کار قوم جیت گئی اور خانہ ساز نبوت کے تار و پود بہت حد تک ہوا میں بکھر گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کو نقصان پہنچانے، ان میں انتشار پیدا کرنے اور ایک دوسرے سے لڑانے بھڑانے کے لئے جو منصوبے بھی انگریزوں نے بنائے، ان میں سب سے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ یہی تھا کہ غدار ابن غدار مرزا غلام احمد نامی کو دعویٰ نبوت کے لئے شہ دی اور اس

نے اپنے بدیسی آقاؤں کی رضا کے لئے ختم نبوت کی حدود کو پھلانگنے کی کوشش کی۔

حضور پرنور ﷺ کی بعثت سے قبل انبیاء کرام علیہم السلام کا جو سلسلہ حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا، چلتا آرہا تھا۔ جب اللہ کے حبیب نبی آخرالزمان ﷺ کی باری آئی تو اعلان ہوا۔

ما کان محمد ابا احد من رجا لکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین (الاحزاب)

ترجمہ: محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں، ہاں اللہ کے رسول ہیں سب نبیوں میں پچھلے۔

پھر دوسری کئی آیات اور بیشمار روایات سے حضور پرنور ﷺ کا تاجدار ختم نبوت ہونا بالکل ظاہر وباہر ہے۔ صاف لفظوں میں یہ ارشاد نبوی کہ خاتم النبین کا معنیٰ ہے لا نبی بعدی (میرے بعد کوئی نبی نہیں) چونکہ مرزا قادیانی ملعون کی نبوت ملہم من الابلیس تھی، لہذا جو ہدایات صدر دفتر سے آتی رہیں، اس کی وحی بنتی رہیں۔ اس نے خود کہا، میں انگریز کا خود کاشتہ پودا ہوں۔ انگریزیوں تو اس کی وحی کے ذریعے بڑے بڑے نادر الہام حاصل کرنا چاہتے تھے مگر ان کا اولین مقصود جہاد کی منسوخی تھی۔ آج کل بھی بش اور باقی شیطانوں کو ان آیات جہاد سے بڑی چڑ ہے اور اپنے چیلوں چانٹوں کے ذریعے انھیں قرآن پاک یا کم ازکم سکولوں اور کالجوں کے نصاب سے نکلوانے کے درپے ہیں۔

مرزا قادیانی سچے انبیاء کرام علیہم السلام کے برعکس نہایت ہی بدصورت بھی تھا۔ وہ ایک آنکھ سے بھینگا تھا۔ اللہ کے سب نبی خصوصاً آخری نبی علیہ التحیۃ والثناء کی شکل وصورت خود ان کی نبوت ورسالت کی دلیل تھی۔ چنانچہ حضور پرنور ﷺ کی زیارت کرتے ہی یہود کے مشہور عالم حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے انھیں خیالات کا اظہار کیا تھا۔

مرزا قادیانی کی صورت اگر بھدی تھی تو سیرت اس سے بھی گئی گزری تھی۔ دجال (بہت بڑا مکار) اور کذاب (بہت بڑا جھوٹا) تو وہ دعویٰ نبوت ہی سے ہو گیا کیونکہ ایسی شیطنت کا حوصلہ اسی شخص کو ہو سکتا ہے جو پرلے درجے کا مکار اور جھوٹا ہو۔ سیرت کے اعتبار سے بھی وہ شخص سخت گھناؤنا تھا۔ ہم اس کی سوانح حیات 'سیرۃ المہدی' ہی سے اقتباسات پیش کریں تو شاید قارئین اسے تعصب پر محمول کریں اور سوچیں نبوت کا جھوٹا دعوی کرنے والا بھی اتنا غیر ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ مگر کیا کیا جائے جب یہاں دعوی نبوت کرنے والا کسی روک ٹوک کو روا رکھتا ہی نہیں، جو منہ میں آتا ہے۔ کہتا ہے، جو جی چاہتا ہے، کھاتا ہے اور جس سے نفس مطمئن ہو دیکھتا ہے۔ فرمائیے شراب پینے والا اور دوسری آوارہ حرکتیں کرنے والا کس منہ سے شرافت کا دعوی کر سکتا ہے اور نبوت تو عروج انسانیت کی انتہا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے انگریز اپنے مقصد کے چند الہامات شیطانی ہی نہیں اگلوانا چاہتے تھے بلکہ مقام نبوت کے تقدس کو بھی بزعم خویش ضائع کرنا چاہتے تھے۔ یعنی دیکھنے والے دیکھ لیں کہ نبی عام انسانوں سے صورت وسیرت کے کسی پہلو سے بھی بلندتر نہیں ہوتا۔ اس بات کو ذہن نشین کرانے کے لئے انھوں نے دعوی نبوت کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کیا جو دعوی شرافت کے بھی لائق نہیں تھا۔ اور اگر گوناگوں دعاوی کا مطالعہ کریں تو لگتا ہے جیسے وہ انسان بھی نہیں تھا۔

یہ ایک امر واقع ہے شہر سیالکوٹ کے دامن میں ایک گاؤں ہے جسے بھڈال کہتے ہیں۔ چند سال قبل یہاں مسلمانوں اور مرزائیوں کے مابین مناظرہ ہوا۔ مسلمانوں کی طرف سے شجاعت علی مجاہد امیر تحریک شیران اسلام اور مرتدین کی طرف سے ایک مناظر تھا جو ان کے صدر مقام سے بلایا گیا تھا۔ ہمارے مناظر نے کہا صرف اس بات پر مناظرہ ہوگا۔ کہ مرزا قادیانی انسان تھا یا نہیں۔ قادیانی مناظر اس مناظرے میں اسے انسان ثابت کرے اور ہم ثابت کرتے ہیں مرزائی اپنے دعاوی کے آئینے میں انسان بھی نہیں مرزا مناظر بار بار یہی کہتا رہا کہ میں تیاری کر کے نہیں آیا۔

یہ کسی تعصب کی بناء پر نہیں بلکہ کوئی شخص اپنی طرف سے اس کے سوانح حیات کا مطالعہ کر کے دیکھ لے، وہ یہ کہنے پر مجبور ہو جائے گا'

'اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی'

حقیقت یہ ہے کہ حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کی ادنیٰ سی بے ادبی کا ارتکاب کرنے والا بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور ختم نبوت کا انکار محبوب خدا مظہر کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی بدترین گستاخی ہے، اس کا ارتکاب کرنے والا بھی اسی حساب سے بدترین گستاخ، بدترین کافر، بدترین مرتد اور بدترین باغی، بدترین غدار اور بدترین ملعون ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کا حسب ونسب دیکھو تو غداری سے داغدار، اس کا بچپن دیکھو آوارہ اس کی تعلیم دیکھو تو مڈل فیل، اس کی بیماریاں دیکھو تو عذاب الٰہی نظر آئیں، اس کی شاعری دیکھو تو سوز سے خالی اور گالیوں سے بھری ہوئی، اس کی نثر دیکھو تو کئی کئی صفحات پر ایک ہی 'لعنت کا لفظ دہرایا گیا ہے (جس کا خود سب سے زیادہ مستحق ہے) اس کے معاشقے دیکھو تو از حد شرمناک، اس کی پیشگوئیاں دیکھو محمدی بیگم مارکہ'۔ کتنی بے شرمی کی بات ہے کہ جب ایک ایک پیشگوئی جھوٹی ثابت ہو رہی ہے تو کیا پڑی ہے مزید پیشگوئیاں کرکے مزید رسوا ہونے کی، ہاں جو شخص 'بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن کے مصداق ہو چکا ہو، اسے عزت اور رسوائی سے کیا علاقہ۔ اور پھر اس سارے انگریزی ڈرامے کا ڈراپ سین بیت الخلاء میں موت۔ اور پھر جس ریل گاڑی کو خر دجال کہتا تھا، اسی پر سوار ہو کر قادیان پہنچا۔

اس ساری بدبودار سوانح عمری کو سامنے رکھیں اور دیکھیں اس کے ساتھ کیا کسی فضیلت کا تعلق ہو سکتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ تو پھر انگریزوں نے اپنے ایسے سراپا عیب، بندے کو جھوٹے دعویٰ نبوت کے لئے کیوں چنا۔ میرا دل تو یہی کہتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام سراپا فضیلت وشرافت' اور پیکر ان نجابت وطہارت ہوتے ہیں۔ ان کی گفتار ورفتار، سیرت وکردار، افعال واطوار اس بات کی دہائی دیتے ہیں کہ یہ شخص عام انسانوں کی طرح نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے مخصوص وممتاز صلاحیتیں لے کر بزم ہستی میں جلوہ گر ہوا ہے لہٰذا ضد کی وجہ سے کوئی مانے یا نہ مانے انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ متاع زندگی ان کی نذر کر دو اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے غلام بنے رہو۔ چنانچہ جن سعید روحوں نے ان کے پیغام کو قبول کیا، وہ اسی جذبے سے سراپا اطاعت بن گئے۔

انگریز بدبختوں کو اللہ والوں سے خدا واسطے کا بیر ہے (ہونا تو اللہ والوں کا غلام چاہئے مگر ان کی بدترین شقاوت یہ ہے کہ اللہ والوں کے مخالف ہی رہتے ہیں) ان کی بائیبل کا مطالعہ کریں، انبیاء معصومین علیہم السلام کے خلاف جو ہرزہ سرائی کی گئی ہے، اسے ایک عام شریف آدمی اپنے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہی نہیں، انگریزوں نے یہاں آکر پہلے پہل جو مولوی خریدے تھے، ان کے ذمے بھی یہی کام تھا کہ وہ اللہ کے پاک انبیاء علیہم السلام کو عام سی سطح کا ایک بشر ثابت کریں چنانچہ تنخواہ دار ملا اپنے معیار کے مطابق (دین کی قیمت پر) بھاری تنخواہیں لے کر یہ کام کرتے رہے۔ بہرحال انگریزی سوچ ایسی ہی ہے، چنانچہ مولویوں کے انتخاب یا خریداری کے بعد جب وہ دعویٰ نبوت کرانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگے تو انھیں زیادہ 'اعلیٰ نسل' کے ملعونوں کی ضرورت تھی۔ کہتے ہیں یہ انٹرویو ڈی۔سی سیالکوٹ کے دفتر میں ہوا تھا اور اس میں سب سے اول نمبر (امیدوار لعنت) یہی بدبخت مرزا تھا، جس میں سر سے پیر تک خوبی نہیں تھی۔ اور اس انتخاب کی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ مقام نبوت کی عظمت ووجاہت کا جو تصور عوام وخواص میں پایا جاتا ہے، اسے بھی دھندلایا جائے اور یہ تصور عام ہو جائے کہ نبی عام سطح کا ہی ایک انسان ہوتا ہے اور دوسرے لوگ بھی علم وعمل اور سیرت وکردار کی دوسری زیبائیوں میں اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ مگر اللہ کی قدرت دیکھئے نہ مرزے کی نبوت کو پذیرائی ملی اور نہ نبوت کے بارے میں اسلام دشمنوں کے اس تصور کو۔ اس نبوت کا کلمہ انھیں لوگوں نے پڑھا جو حرص وہوس کے پتلے تھے اور اپنے معاشرے میں جو نہایت گھٹیا سمجھے جاتے تھے۔ پھر جن شقی القلب لوگوں نے اسے دنیوی مصالح کی بنا پر (معاذ اللہ) نبی مانا، ان سے ہزاروں گنا وہ لوگ زیادہ تھے اور زیادہ ہیں جو اسے دجال اور کذاب سمجھتے ہیں۔ کون نہیں جانتا، ہمارے آقا ومولا حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو ابوجہل اور ابولہب جیسے بدترین مخالفین

بھی الصادق اورالامین کہا کرتے تھے اوراسی سے ملتا جلتا حال ہوتا ہے ہر سچے نبی کا بلکہ صداقت وامانت کے جلوے جب تک ولی میں نہ ہوں، اسے ولایت مل ہی نہیں سکتی۔ بالیقین قرآنی تصور یہی ہے کہ اللہ کے رسول فضائل کے جامع ہوتے ہیں۔

تلک الرسل فضلنابعضھم علی بعض (البقرہ ۲۵۴)

ترجمہ: یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔

دوسرے مقام پر مزید وضاحت فرمادی۔

اللہ اعلم حیث یجعل رسلتہ (الانعام۔۱۲۴)

ترجمہ: اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے۔

ایک بات خوب ذہن نشین کر لیجئے، جو شخص حضور پرنور ﷺ کا جتنا بڑا گستاخ ہے، اتنا ہی وہ امت مسلمہ کا دشمن و بدخواہ ہے۔ چنانچہ اگر آپ یہ دیکھنا چاہیں کہ ملت اسلامیہ کا سب سے بڑا دشمن کون ہے، تو زیادہ غور وفکر کی ضرورت نہیں، قادیانی ہی اس امت کے سب سے بڑے دشمن و بدخواہ ہیں۔

چنانچہ ان کی دشمنی ان کے نقطہ آغاز ہی سے شروع ہوگئی تھی۔ کچھ عرصہ بعد تحریک پاکستان شروع ہوگئی تو یہ بھی ادھر تھے جدھران کے مالک وخریدار تھے یعنی پاکستان کے خلاف پاکستان ان کی خواہشوں اور کوششوں کے علی الرغم معرض وجود میں آ گیا، تو غیرت وانصاف کا تقاضا یہی تھا کہ پاکستان میں قدم نہ دھرتے، انگلستان جاتے یا ہندوستان (کیونکہ انگریزوں کی ہمدردیاں مسلمانوں کی بجائے ہندوؤں کے ساتھ تھیں) مگر غیرت و انصاف کا خون کر کے یہ پاکستان میں آگئے۔ انھیں یہاں آنے خصوصاً دوسرا مرکز بنانے کی اجازت نہیں دینی چاہئے تھی۔ ہاں ہاں 'قادیان' کے بعد دوسرا مرکز 'ربوہ' کے نام سے پاکستان میں بنانا۔ مسلمانوں کے لئے از حد نقصان دہ حرکت تھی مگر افسوس یہ بھی گوارا کر لی گئی یہی نہیں ظفر اللہ خاں چودھری کو وزیر خارجہ بنا کر دشمنان ملت کی مزید حوصلہ افزائی کی گئی۔ وہ بدبخت چودھری جس نے قائداعظم علیہ الرحمہ کا جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔ اور صاف کہہ دیا کہ مجھے مسلمان حکومت کا کافر وزیر خارجہ سمجھ لو یا کافر حکومت کا مسلمان وزیر خارجہ۔ کتنے تعجب کی بات ہے، عام مسلمانوں سے خود اپنا فرق کفر واسلام کا سمجھتے ہیں۔ مگر مصلحتاً کوئی انھیں اقلیت قرار دینے کی کوشش کرتا تو سیخ پا ہو جاتے ہیں سمجھتے پھر بھی یہی ہیں کہ مسلمان مسلمان ہیں تو یہ (مرزائی) کافر اور مرزائی (معاذ اللہ) مسلمان ہیں تو مسلمان کافر۔ پچاس کی دہائی میں ان کے خلاف بڑی زوردار تحریک اٹھائی گئی مگر اس وقت کی بے غیرت گورنمنٹ اور فوج کے چند بے غیرت جرنیلوں نے ظلم وتشدد سے اسے روکا۔ پھر بھٹو کے دور میں ربوہ میں ہوائی جہازوں کے ذریعے سلامیاں دی جانے لگیں تو ان کے خطرناک ارادے منظر عام پر آ گئے، اور آخر کار ے ستمبر کو قومی اسمبلی نے اتفاق رائے سے اقلیت قرار دے دیا۔ ضیاء الحق کے دور میں امتناع قادیانیت آرڈیننس نافذ ہوا جس کی رو سے اسلامی اصطلاحات مثلاً اہل بیت اطہار امہات المومنین، صحابہ کرام، مسجد وغیرہ۔ جیسے الفاظ کسی بھی غیر مسلم کو اپنے مذہب کے حق میں استعمال کرنے سے روک دیا گیا۔

پاکستان میں بڑے بڑے 'باہوش' حکمران آئے مگر افسوس قادیانیوں کی شرارتوں سے پاکستان اور اہل پاکستان کو بچانے کی طرف کسی نے توجہ مبذول نہ کی۔ یہ بدبخت ہر اسلام دشمن اور پاکستان دشمن کے آلہ کار رہے۔ خصوصاً فوج میں، سیکرٹریٹ میں یا ایٹمی توانائی جیسے اہم پروگراموں میں ان کا شامل ہونا خطرے سے خالی نہیں۔ پاکستان میں، سب جانتے ہیں، کوئی سختی نہیں ہوتی مگر بیرون ملک یہ بدبخت یہی ظاہر کرتے ہیں کہ ملک پاک میں ہم سخت مظلوم ہیں۔ لہذا جہاں کا چاہیں ویزا حاصل کرلیں انھیں آسانی ہے۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے کہ نصف صدی سے زیادہ عرصے سے

جو پراپیگنڈا انھوں نے شروع کر رکھا ہے، کم از کم اس کے مطابق سختی تو ہونی چاہئے۔ پھر ہمارے عوام، بعض تو ایسے غیر تمند ہوتے ہیں کہ اپنا سب کچھ اپنے دین و مذہب پر قربان کر دیتے ہیں، مگر بعض ایسے بے غیرت ہوتے ہیں کہ دین و مذہب کی قربانی دینے سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اس قسم کے لوگوں کو جب معلوم ہو جاتا ہے کہ خود کو 'قادیانی' ظاہر کر کے ویزا حاصل کرنا آسان ہو جاتا ہے تو یہ اس سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یوں سمجھئے وطن عزیز میں وطن عزیز کے دشمنوں کو جو رعایات ہیں، وہ دوستوں کو نہیں، مگر سوال یہ ہے کہ ایسی صورت حال کب تک جاری رہے گی اور کب تک کارکنان ملک وملت اس طریقے سے کفر و ارتداد کی پشت پناہی اور اس کی اشاعت کا سبب بنتے رہیں گے۔

۱۱ ستمبر: اس روز بانی پاکستان محسن ملت حضرت قائداعظم محمد علی جناح علیہ الرحمہ کا یوم وصال ہے۔ حق یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں نے جس ذوق وشوق سے قربانیاں دی تھیں، لگتا یہ ہے کہ اس کے انعام میں اللہ جل شانہٗ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کی امت کو جو رہنما عطا فرمائے، ان میں اعلیحضرت بریلوی قدس سرہٗ، حکیم الامت اقبال اور حضرت قائداعظم علیہم الرحمہ کا مقام بہت بلند۔ آج جب حضرت قائداعظم علیہ الرحمہ کو لوگ سیکولر ظاہر کرنے کی شیطانی کوششوں میں مصروف ہیں۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے، اس کا فیصلہ حضرت قائداعظم علیہ الرحمہ کے ارشادات کی روشنی میں کیا جائے۔ (درج ذیل اقتباس اس اداریے کا ہے جو میں نے عزم نو کے اسلام نمبر میں تحریر کیا تھا)

......﴿بانی پاکستان کے ارشادات﴾......

اسلام کے عقائد وتعلیمات کے بارے میں بانی پاکستان جناب قائداعظم کے نظریات کیا تھے، ذیل میں انہیں بیان کیا جاتا ہے۔ ان کا جاننا اسلیئے بھی ضروری ہے کہ بعض لوگ پاکستان کی نظریاتی اساس کے بارے میں خود شکوک وشبہات کا شکار ہیں اور دوسروں کو بھی ان میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ آپ حضور پرنور ﷺ، قرآن مجید، اسلام، نظریہ تعلیم اور پاکستان کے طرز حکومت کے بارے میں اپنے یقین وایمان کا اعلان یوں فرماتے ہیں۔ (یہ آپ کے خطابات کے اقتباسات ہیں) حضور ﷺ کے بارے میں اپنی عقیدت کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

☆...... ''آج ہم یہاں دنیا کی عظیم ترین ہستی کو نذرانہ عقیدت پیش کرنے کیلیے جمع ہوئے ہیں۔ آپ کی عزت وتکریم کروڑوں عام انسان ہی نہیں کرتے بلکہ دنیا کی تمام عظیم شخصیتیں آپ کے سامنے سر جھکاتی ہیں۔ میں ایک عاجز ترین، انتہائی خاکسار، بندہ ناچیز اتنی عظیم، عظیموں کی بھی عظیم ہستی کو بھلا کیا اور کیسے نذرانہ عقیدت پیش کر سکتا ہوں، رسول کریم ﷺ عظیم مصلح تھے۔ عظیم رہنما، عظیم واضع قانون تھے۔ عظیم سیاستدان تھے، عظیم حکمران تھے۔ (کراچی بار ایسوسی ایشن، ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ 'عید میلاد النبی')

☆...... رسول اللہ ﷺ کی زندگی انتہائی سادہ تھی۔ آپ نے جس چیز میں بھی ہاتھ ڈالا، کامیابی نے آپ ﷺ کے قدم چومے۔ تجارت سے لے کر حکمرانی تک، ہر شعبۂ حیات میں آپ مکمل طور پر کامیاب رہے۔ رسالتمآب ﷺ پوری دنیا کی عظیم ترین ہستی ہیں۔ تیرہ سو سال قبل ہی آپ نے جمہوریت کی بنیادیں رکھ دی تھیں (کراچی بار ایسوسی ایشن...... ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ 'عید میلاد النبی')

☆...... میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اسوہ حسنہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) پر چلنے میں ہے جو ہمیں قانون عطا کرنے والے پیغمبر اسلام نے ہمارے لئے بنایا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی جمہوریت کی بنیادیں صحیح معنوں میں اسلامی تصورات اور اصولوں پر رکھیں۔ (شاہی دربار سبی بلوچستان۔ ۱۴ جولائی ۱۹۴۷ء)

قرآن پاک کے متعلق فرمایا:

☆...... ''وہ کونسا رشتہ ہے جس میں منسلک ہونے سے تمام مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں، وہ کونسی چٹان ہے جس پر ان کی ملت

کی عمارت استوار ہے۔ وہ کونسا لنگر ہے جس سے اس امت کی کشتی محفوظ کر دی گئی ہے؟ وہ رشتہ، وہ چٹان، وہ لنگر خدا کی کتاب قرآن مجید ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جوں جوں ہم آگے بڑھتے جائیں گے، ہم میں زیادہ سے زیادہ اتحاد پیدا ہوتا جائے گا۔ایک خدا، ایک رسول ﷺ، ایک کتاب، ایک امت۔ (اجلاس مسلم لیگ کراچی)

☆......ہر مسلمان جانتا ہے کہ قرآنی احکام مذہبی اور اخلاقی فرائض تک محدود نہیں، جیسا کہ گبن نے کہا تھا، اوقیانوس سے گنگا تک قرآن کو دینیات نہیں بلکہ شہری (سول) اور تعزیری قوانین کی بنیاد بھی سمجھا جاتا ہے اور وہ قوانین جن سے بنی نوع انسان کے اعمال اور حقوق کی حد بندی ہوتی ہے۔ وہ بھی خدا کے غیر متبدل احکام سے متعین ہوتے ہیں۔ جاہلوں کی بات الگ ہے ورنہ ہر کوئی جانتا ہے کہ قرآن مسلمانوں کا ہمہ گیر ضابطہ حیات ہے۔ مذہبی، سماجی، شہری، کاروباری، فوجی، عدالتی، تعزیری اور قانونی ضابطہ حیات ہے۔ جو مذہبی تقریبات سے لے کر روزمرہ زندگی کے معاملات تک، روح کی نجات سے لے کر جسم کی صحت تک، تمام افراد سے لیکر ایک فرد کے حقوق تک، اخلاق سے لیکر جرم تک، اس دنیا میں جزا سزا سے لیکر اگلے جہان کی جزا و سزا تک کی حد بندی کرتا ہے۔ (پیغام عید: ۱۹۴۵ء)

اسلام کی بابت فرمایا:

☆......اسلام ہماری زندگی اور ہمارے وجود کا بنیادی سرچشمہ ہے۔ اسلام نے ہمارے ثقافتی اور تہذیبی ماضی اور ہماری گذشتہ روایات کو عرب دنیا سے اتنا وابستہ، گہرا اور قریب کر رکھا ہے کہ اس امر میں تو کسی کو شبہ ہی نہیں ہونا چاہئے، کہ ہم عربوں اور ان کے مسائل اور مقاصد سے مکمل ترین ہمدردی رکھتے ہیں۔ (شرق اردن کے سفیر کے استقبال میں: ۲۴ دسمبر ۱۹۴۷ء)

☆......ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کیلئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں (اسلامیہ کالج پشاور: ۱۳ جنوری ۱۹۴۸ء)

☆......میں ان لوگوں کی بات نہیں سمجھ سکتا جو دیدہ دانستہ اور شرارت سے یہ پروپیگنڈا کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا، اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابل اطلاق ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ میں ایسے لوگوں کو جو بدقسمتی سے گمراہ ہو چکے ہیں، یہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں کو، بلکہ یہاں غیر مسلموں کو کوئی خوف ڈر نہیں ہونا چاہئے۔ اسلام اور اس کے نظریات نے ہمیں جمہوریت کا سبق دے رکھا ہے۔ ہر شخص سے انصاف، رواداری اور مساوی برتاؤ اسلام کا بنیادی اصول ہے۔ پھر کسی کو ایسی جمہوریت، مساوات اور آزادی سے خوف لاحق ہو جو انصاف، رواداری اور مساوی برتاؤ کے بلند ترین معیار پر قائم کی گئی ہو، ان کو کہہ لینے دیجئے، ہم دستور پاکستان بنائیں گے اور دنیا کو دکھائیں کہ یہ رہا ایک اعلیٰ آئینی نمونہ۔ (بار ایسوسی ایشن: ۲۵ جنوری ۱۹۴۸ء)

☆......اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز پیش نظر رہنا چاہئے کہ اس میں اطاعت اور وفا کشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا عملی ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے، نہ پارلیمنٹ کی، نہ کسی شخص یا ادارے کی، قرآن کریم کے احکام ہی سیاست و معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کر سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اسلامی حکومت قرآنی اصول و احکام کی حکومت ہے۔ (تعلیمات قائد ص ۷۸)

☆......آپ اپنی اس طرح تنظیم کیجئے کہ پوری قوم اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے ایک نکتے پر جمع ہو جائے اور ملت اسلامیہ کی معاشرتی، اقتصادی اور تعلیمی ترقی کیلئے تعمیری لائحہ عمل ترتیب پایا جائے، ثقافت اسلامی اور تعلیمات محمدی (ﷺ) کا احیاء کیجئے اور ہندوستان کی مختلف اقوام کے درمیان بھائی چارے اور خیر سگالی کے جذبات پیدا کیجئے۔ (آل انڈیا ایم ایس ایف جالندھر ۱۵ نومبر ۱۹۴۰)

ایک دلچسپ واقعہ: ۱۹۴۲ء میں قائداعظم پر قاتلانہ حملہ ہوا اور آپ زخمی ہو گئے۔ امیر ملت حافظ سید جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری علیہ الرحمہ نے تسکین آمیز خط لکھا اور کچھ تحائف بھیجے جن میں قرآن کریم، تسبیح اور جائے نماز بھی تھا، جناب قائداعظم محمد علی نے جواب میں فرمایا۔

☆...... جب آپ جیسے لوگوں کی دعا میرے شامل حال ہے تو میں اپنے مقصد میں ابھی سے کامیاب ہوں اور آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ میری راہ میں کتنی ہی تکلیفیں کیوں نہ آئیں، میں اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔

آپ نے قرآن شریف اس لئے عنایت فرمایا ہے کہ میں مسلمانوں کا لیڈر رہوں، جب تک قرآن اور دین کا علم نہ ہو، کیا میں لیڈری کر سکتا ہوں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ قرآن شریف پڑھوں گا، انگریزی ترجمے میں نے منگوا لئے ہیں۔ ایسے عالم کی تلاش میں ہوں جو انگریزی میں قرآن پاک کی تعلیم دے سکے۔ (عربی متن تو آپ بچپن ہی میں پڑھ چکے تھے)

جائے نماز آپ نے اس لئے عطا کیا کہ جب میں اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں مانتا تو مخلوق میرا حکم کیسے مانے گی۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ نماز پڑھتا رہوں گا۔

☆...... تسبیح آپ نے اس لئے ارسال کی ہے کہ میں اس پر درود شریف پڑھا کروں گا۔ جو شخص پیغمبر ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت طلب نہیں کرتا، اس پر اللہ کی رحمت کیسے نازل ہو سکتی ہے۔ اس اشارے کی بھی تعمیل کروں گا۔ (سیرت امیر ملت: ۴۸۰)

پاکستان میں طرز حکومت کیسا ہوگا؟ ۱۹۴۶ء میں شہر دلی میں ایک پر ہجوم پریس کانفرنس کے دوران پاکستان کے نظام حکومت کے بارے میں سوال ہوا تو جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

"Just imagine the effect if in reality such a state came into being as was set up by Hazrat Yousaf, Hazrat Sulaiman, Hazrat Daood and Hazrat Mohammad (Peace be upon them) and like one which was governed by Abu Bakar, Omar Farooq, Usman Ghani, Ali Murtaza, Imam Hsan, Omar bin Abdul Aziz. Under that vast Islamic state were North-West Afghanistan, Iran, Asia Miner,, Transfordam, Bahrain, Kuwait, Hedjaz, Iraq, Palestine, Syria, Tunisia, Moroce, Algeria, Spain, & Egypt. But all these prpohets and Khulafa-i-Rashideen in spite of being so great, led the life of extreme austerity while keeping their people prosperous and happy. Why should we not follow the example of these great peronalities? (The minarite March 1970)

ترجمہ: ذرا اگر اس طرح کی حکومت بن گئی جیسی حضرت یوسف، حضرت سلیمان، حضرت داؤد اور حضرت محمد ﷺ نے قائم کی تھی اور ایسی حکومت جیسے حضرت ابوبکر، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضٰی، حضرت امام حسن، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم نے چلائی تھی تو اس (کی برکات) کا ذرا تصور تو کیجئے۔ اس وسیع اسلامی ریاست میں شمالی مغربی، افغانستان، ایران، ایشیائے کوچک، بحرین، کویت، حجاز، عراق، فلسطین، شام، نیونچ، مراکو، الجیریا، سپین اور مصر شامل تھے، لیکن یہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اپنی بے پناہ عظمتوں کے باوجود انتہائی زاہدانہ زندگی گزارتے رہے مگر رعیت کو فارغ البال اور خوش و خرم رکھتے رہے۔ ہم بھی ان عظیم شخصیتوں کی مثال پہ کیوں نہ عمل پیرا ہوں۔

طلبہ سے فرمایا:

☆..... ''اپنا اخلاق ہر صورت میں بلند رکھو، موت سے نہ ڈرو، ہمارا مذہب یہی سکھاتا ہے۔ کہ ہمیں موت کیلئے ہر وقت تیار رہنا چاہیے۔ اسلام اور پاکستان کی عزت بچانے کیلئے موت کا بہادری سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ مسلمان کیلئے اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نجات نہیں ہوسکتا کہ وہ صداقت کی خاطر شہید کی موت مر جائے۔ (طلبا سے خطاب، لاہور: ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۷ء)

☆..... پاکستان کی ترقی کا انحصار زیادہ تر طرز تعلیم پر ہے، یعنی ہم کیونکر اپنے بچوں کو پاکستان کا سچا خدمت گار بناتے ہیں۔ تعلیم کا مطلب محض مکتبی تعلیم نہیں ہوتا اور ہمارے ہاں تو مکتبی تعلیم خیر سے بہت کمزور اور ناقص ہے۔ ہمیں جو کچھ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اپنے لوگوں کی توانائیوں کو ایک راہ پر لگائیں اور آنے والی نسلوں کے کردار کی تعمیر ابھی سے کریں (کل پاکستان تعلیمی کانفرنس ۲۷ نومبر ۱۹۴۷ء)

☆..... ہمارے کالجوں کا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ زراعت، حیوانات، انجنیئر، طب اور دوسرے فنی مضامین میں اول درجے کے ماہرین پیدا کریں۔ صرف اسی طریقے سے ہم ان مسائل کا ٹھوس حل نکال سکیں گے جو عام آدمی کی معیار زندگی بلند کرنے میں ہمیں پیش آرہے ہیں۔ (ایڈورڈ کالج پشاور ۱۸ اپریل)

الحمد للہ رب العلمین

ثم الصلوٰۃ و السلام علی سید نا رحمۃ للعلمین و علیٰ الہٖ و اصحابہٖ اجمعین

موجودہ شمارے سے جریدہ حمیدہ 'الحقیقہ' کے پانچ سال مکمل ہوگئے ہیں..... اللہ جل جلالہ کا شکر، اس کے حبیب لبیب حضور سید عالم ﷺ کا شکر..... جن کے لطف و کرم سے یہ سعادت ملی..... اور ان سب صوفیہ عظام رضی اللہ عنہم کا شکر..... جن کے تصرفات سر پہ سایہ فگن رہے

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا — مجمع کرامات و عنایات حضرت بابا فریدالدین گنج شکر

خصوصاً شہنشاہ لاثانی، حضور نقش لاثانی اور حضور نقشہ نقش لاثانی

قدست اسرارھم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام اور شیطان کے سپوت

قسط : 12

تحریر: پروفیسر محمد حسین آسی

بات ہو رہی تھی اسلام کے نظام حکومت کی۔ خلیفہ اول حضرت سیدنا صدیق اکبر اور خلیفہ دوم حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما کے طرز حکومت اور طرز زندگی کے بارے میں کچھ نہ کچھ عرض کیا جا چکا۔ یہ لوگ وہ ہیں جن کی تربیت خود بانی اسلام ﷺ نے فرما کر انھیں بنی نوع انسان کے مسائل و مشکلات کے حل کے لئے تیار کیا اور یقیناً مسلمانوں ہی میں نہیں، پوری تاریخ انسانی میں ان کی مثال (کسی قوم میں بھی) نہیں ملتی۔ یہی حال تیسرے اور چوتھے خلیفہ راشد یعنی حضرت سیدنا عثمان بن عفان اور حضرت سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک انسان ٹھنڈے دل سے اس بات پر غور کرے مثالی حکمران کیسا ہونا چاہئے اور اس سلسلے میں وہ ایک نہ ایک معیار بھی مقرر کرے تو خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم میں سے ہر خلیفہ راشد اس کے اس معیار سے بھی بہت بلند ہوگا۔ ویسے کجا ہمارا تصور اور کجا محبوب خدا شہنشاہ انبیاء علیہم السلام کی تربیت کا شہکار۔ ہمارا تصور وہاں کیسے پہنچ سکتا ہے۔ اسی نقطہ نظر سے آیئے حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے کردار اور انداز حکمرانی کے جلووں سے اپنے اپنے دیدہ و دل کو روشن کریں۔ بات کو آسان کرنے کے لئے ہم اسے مختلف عنوانات میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱: عشق رسول ﷺ: اسی سفارت کے موقعے پر جب آپ حدیبیہ سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے۔ قریش نے خود آپ کو عمرہ و طواف کی پیشکش کی مگر محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء سے پہلے اکیلے ہی بظاہر ایسی سعادت اندوزی آپ کے عشق و ادب کے خلاف تھی لہذا آپ نے قبول نہ فرمائی۔ معلوم ہوا مسلمانوں کا حاکم وہی ہونا چاہئے جو محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کے عشق و ادب کی اہمیت سے آگاہ ہو۔

۲: اتباع رسول ﷺ: اسلام لانے کے بعد حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ عشق رسول ﷺ سے مخمور ہو گئے اور آپ نے زندگی کے ہر لمحے میں اتباع رسول ﷺ کو ملحوظ رکھا۔ چنانچہ ایک جگہ آپ وضو کر کے مسکرائے۔ پھر وضاحت فرمائی کہ حبیب خدا علیہ التحیۃ والثناء بھی یہاں وضو فرما کر مسکرائے تھے (گویا یہاں سے وضو اور پھر مسکرانا بھی سنت ہے)

یہ عشق و ادب کا تقاضا ہی تھا کہ بیعت کے وقت جس ہاتھ کو حضور انور و اکرم ﷺ سے لمس کا شرف ملا تھا۔ میں اسے پھر کبھی شرمگاہ سے مس نہیں کیا۔

۳: صبر و استقامت: اسلامی حکومت کے سربراہ کو صبر و استقامت کا ہمالہ ہونا چاہئے اور کسی قیمت پر بھی اسے دامن حق ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔ یاد رہے حضرت بلال اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم جیسے حضرات مکہ معظمہ کی معاشرت میں غلاموں کی حیثیت رکھتے ہیں، روز و شب ظلم کے پیکر آقاؤں کے ظلم برداشت کرنے کی انھیں خاصی مشق ہو چکی تھی، اس لئے اسلام قبول کرنے کے بعد انھیں جن جانگداز مصائب و مراحل سے گزرنا پڑا اگرچہ وہ ناقابل برداشت تھے، پھر بھی ان کی کسی حد تک وہ پہلے ہی مشق کر چکے تھے۔ مگر جناب حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

مکہ معظمہ کی سرزمین میں ایک ہردلعزیز شہزادے کی حیثیت سے زندگی بسر کرتے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد ان کے چچا کا انھیں چٹائیوں کے دھوئیں سے پریشان کرنا۔ ان کے لئے کم مصیبت نہیں تھی، مگر راہ حق کے مسافر نے اپنے طرز عمل سے ثابت کر دیا۔

یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

پھر ہجرت حبشہ اور اس کے بعد ہجرت مدینہ منورہ بھی دو مزید جانگسل والمناک واقعات تھے جنھیں جذبہ عشق نے بہت آسان کر دکھایا۔ ہاں ہاں گھر بار چھوڑ کر پرائے دیس جانا وہی جانے جس پر یہ آفت ٹوٹے۔ حدیبیہ کے مقام پر اخلاق دشمن اور خونخوار دشمنوں کے پاس اسلام کا سفیر بن کر جانا بھی بڑی جرات کی بات تھی جو خلیفہ ثالث نے کر دکھائی گویا مسلمانوں کے سربراہ میں صبر واستقامت کا ہونا اور جرات کا ہونا بھی ضروری ہے۔

۴: حیاء: حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت وکردار کا نہایت ہی نمایاں عنوان حیاء ہے۔ حضور پرنور ﷺ نے فرمایا' عثمان میری امت میں سب سے زیادہ حیا والے ہیں۔ یہ بھی فرمایا' میں عثمان رضی اللہ عنہ سے حیا کیوں نہ کروں، اس سے تو فرشتے بھی حیا کرتے ہیں، ہمارے دور کے وہ حیا باختہ حکمران جو بے حیائی اور فحاشی وعیاشی کو 'روشن خیالی' سمجھتے ہیں۔ ظلمت فکر کے قعر مذلت میں کہیں گندگی کے کیڑوں کی طرح رینگ رہے ہیں، یہ اس قابل ہی نہیں کہ مسلمان انھیں اپنا قائد وحاکم سمجھیں۔

۵: ذوق عبادت: سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ دن کو اکثر روزہ اور رات عبادت وریاضت میں گزار دیتے تھے۔ رات بھر میں اور کبھی صرف ایک رکعت میں پورا قرآن پاک تلاوت کر لیا کرتے تھے۔

۶: سخاوغنا: زمانہ خلافت میں ہر سال حج کرتے، منیٰ میں خیمہ نصب فرماتے۔ دستر خوان بہت وسیع ہوتا۔ خود اس وقت تک کھانا نہ کھاتے جب تک حجاج نہ کھا لیتے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک بار قحط پڑا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلے سے لدے ہوئے بہت سے اونٹ مدینہ منورہ آ گئے۔ خلیفہ دوم رضی اللہ عنہ نے خریدنا چاہا تو حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔ کہ زیادہ نفع درکار ہے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس خلاف توقع جواب سے دکھ بھی ہوا اور حیرت بھی۔ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس سارے غلے کو اللہ کے ہاں فروخت کر کے مفت تقسیم کر دیا تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی خوش ہو گئے۔

اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت خلیفہ اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں رونما ہوا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق تاجروں سے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی گفتگو ہوئی۔ اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ (تاجروں سے) کتنا نفع دے سکتے ہو

تاجر:	دس کے بارہ	(۲۰ فیصد منافع)
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	اور زیادہ؟	
تاجر:	دس کے چودہ	(۴۰ فیصد منافع)
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	اور زیادہ؟	
تاجر:	دس کے پندرہ	(۵۰ فیصد منافع)
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ	اور زیادہ	
تاجر: اس سے زیادہ نہیں		
سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ:	کیا تم ایک کے دس دے سکتے ہو۔	

تاجر: نہیں

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ گواہ رہنا میں نے کل غلہ فقراء مدینہ کودے دیا۔

سادگی: آپ نے گذشتہ قسطوں میں ملاحظہ کیا ہوگا۔ پہلے دونوں خلفاء کرام بھی از حد سادہ ٔ بے تکلف تھے۔ وہ اپنے لئے آسانیاں نہیں ڈھونڈتے تھے، بلکہ عوام کی مشکلات زندگی کوختم کرنے کے درپے ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ رئیس اعظم ہونے کے باوجود نہایت سادہ اور سادگی پسند تھے۔ ان کے ہاں تکلف وتصنع کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ مسلمانوں کا سچا اور قابل قدر حاکم وہی ہے جو دنیوی کروفر سے بالاتر ہوکر عجز و انکسار اپنا تا ہے اور سادگی کی اہمیت سمجھ کر اسے گلے سے لگا تا ہے

۷: عدل ومساوات: حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ غلاموں کے ساتھ شریفانہ اور برابری کا سلوک کرتے تھے۔ غلام موجود ہوتے، پھر بھی اپنا کام خود سرانجام دیتے۔ تہجد کے وضو کے لئے بھی خود اہتمام فرماتے۔ ایک دفعہ کسی قصور پر ایک غلام کی گوشمالی کی تو اسے بھی جواباً کان مروڑنے کا حکم دے دیا۔ اسے جرات نہ ہوئی تو فرمایا سختی سے کان مروڑو، آخرت کی گرفت بہت سخت ہے۔

۸: چند ارشادات: مجھے تین چیزیں مرغوب ہیں،

(۱) بھوکوں کو کھانا کھلانا، (۲) ننگوں کا تن ڈھانپنا (۳) قرآن پاک کی تلاوت

(۲) سب سے بڑی بربادی یہ ہے کہ عمر لمبی ہو اور آخرت کی تیاری نہ کرے۔

(۳) اللہ سے محبت کرنے والے کو تنہائی بہت محبوب ہوتی ہے۔

(۴) دنیا جس کے لئے قید خانہ ہو، قبر اس کے لئے مقام راحت ہوگی۔

(۵) تعجب ہے اس شخص پر جو موت کو حق جانتا ہے۔ پھر بھی ہنستا ہے، تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا کو فانی سمجھتا ہے، پھر اس کی رغبت رکھتا ہے۔ تعجب ہے اس پر جو تقدیر کو پہچانتا ہے پھر بھی جانے والی چیز کا غم کرتا ہے، تعجب ہے اس پر جو حساب کو حق جانتا ہے اور پھر مال جمع کرتا ہے۔ تعجب ہے اس پر جو جنت پر ایمان رکھتا ہے اور پھر دنیا کے ساتھ آرام پکڑتا ہے۔ تعجب ہے اس پر جو شیطان کو دشمن جانتا ہے، پھر اس کی اطاعت کرتا ہے

(۶) جنت کے اندر رونا عجیب ہے تو دنیا کے اندر ہنسنا عجیب

(۷) ترغیب دلانے کے لئے علانیہ صدقہ خفیہ صدقے سے بہتر ہے۔

(۸) حیا کے ساتھ تمام نیکیاں اور بے حیائی کے ساتھ تمام بدیاں وابستہ ہیں۔

(۹) سخاوت مال کا پھل ہے، عمل علم کا پھل ہے، اللہ کی رضا اخلاص کا پھل ہے۔

(۱۰) تین چیزوں کا حریص تین چیزوں کو دیا رکھے: عمدہ لباس کا حریص کفن کو، عمدہ مکان کا حریص قبر کو، عمدہ غذا کا حریص کیڑوں مکوڑوں کی غذا بن جانے کو

(۱۱) غرور وتکبر دل میں آئے تو اپنے جوتے گانٹھ لیا کر۔ کپڑے دھولیا کر، ان کو پیوند لگالیا کر، کسی غلام کی عیادت کے لئے جایا کر۔

۹: اسلام کا نفاذ: اسلامی حکومت کا اصل مشن اللہ کی رضا کے لئے کتاب وسنت کے دستور کا نفاذ ہے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خصوصی تربیت اسی نہج پر ہوتی تھی۔ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی صحبت نے ان کے دلوں کو کشف والہام کی صلاحیتوں سے خوب مالا مال کردیا تھا اور ان کے روشن وتاباں فکر پر اجتہاد کے دروازے کھول دیئے تھے۔ بڑے سے بڑے صوفی کا سینہ ایسا گنجینہ فیض نہیں ہوسکتا جیسا حضور پرنور ﷺ کی محض چند لمحے زیارت کرلینے والے ایک صحابی کا، پھر خلیفہ راشد تو خلیفہ راشد ہے۔ ان کا رابطہ ہر وقت اپنے آقا ومولا علیہ التحیۃ والثناء سے رہتا تھا۔ لہذا انت نئی ہدایات کا حصول بھی انھیں دشوار نہیں تھا۔

۱۰: انتہائی مظلوم، انتہائی صابر: ایک روایت جس کا تعلق حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری دنوں سے ہے، بلوائیوں نے کاشانہ اقدس کا محاصرہ کر رکھا ہے اور آپ اس دوران خطاب فرما رہے ہیں۔

''حضرت ثمامہ بن حزن قشیری سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں وار کے دن حاضر تھا جبکہ ان پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جھانک کر فرمایا' میں تمہیں اللہ اور اسلام کی قسم دیتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو بئر رومہ کے سوا میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا۔ فرمایا' کون ہے جو بئر رومہ کو خرید کر اپنے ڈول کے ساتھ مسلمانوں کے ڈول کو ملا دے اس نعمت کے بدلے جو جنت میں اس سے بہتر ہے۔ پس میں نے اسے اپنے مال سے خریدا اور آج تم مجھے اس کے پانی سے روکے ہوئے ہو، حتیٰ کہ مجھے دریا کا پانی پینا پڑتا ہے۔ لوگوں نے کہا' یہی بات ہے۔ فرمایا' میں تمہیں اللہ اور اسلام کی قسم دیتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ مسجد نبوی نمازیوں کے لئے تنگ تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' کون ہے جو آل فلاں کے قطعہ زمین کو خرید کر مسجد میں شامل کر دے، اس نعمت کے بدلے جو جنت میں اس سے بہتر ہے، پس میں نے اسے اپنے مال سے خریدا اور آج تم مجھے اس میں دو رکعتیں پڑھنے سے بھی روکتے ہو۔ لوگوں نے کہا' یہی بات ہے'۔ فرمایا کہ میں تمہیں اللہ اور اسلام کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو میں نے لشکر تبوک کا بندوبست اپنے مال سے کیا تھا؟ لوگوں نے کہا' یہی بات ہے' فرمایا' میں تمہیں اللہ اور اسلام کی قسم دیتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کے کوہ ثبیر پر تھے۔ آپ ﷺ کے ساتھ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور میں رضی اللہ عنہم تھا۔ پہاڑ ہلنے لگا۔ یہاں تک کہ پتھر لڑھکنے لگے تو آپ ﷺ نے پیر سے ٹھوکر مار کر فرمایا' اے ثبیر ٹھہر جا کہ تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔ لوگوں نے کہا' یہی بات ہے۔ آپ نے تکبیر کہی اور تین مرتبہ فرمایا' رب کعبہ کی قسم! لوگوں نے گواہی دے دی کہ میں شہید ہوں۔ (ترمذی۔ نسائی۔ دار قطنی)

اے اسلام کے دشمنو! اے دین حق کے خلاف اپنی ناپاک قینچی جیسی زبان چلانے والو، اے انسانیت کے ازلی دشمنو! حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اسی واقعہ شہادت پر ہی غور کر لو۔ جان کے دشمن تمہاری طرح غلط پروپیگنڈہ سے مسحور ہو چکے ہیں، غلط پروپیگنڈا یہ نہیں کہ خلیفہ وقت کا موقف (معاذ اللہ) غلط ہے ان کے تو دلائل کا مخالفین بلوائیوں کے پاس جواب ہی نہیں ہے۔ غلط پروپیگنڈا یہ ہے کہ شہید کرنا ہے اور ہر قیمت پر کرنا ہے۔ لاکھوں میل پر پھیلی ہوئی اسلامی حکومت کا سربراہ ہے، پھر بھی اپنی جان بچانے سے کوئی دلچسپی نہیں، ہاں دلچسپی ہے تو اس بات سے ہے کہ محبوب کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کا شہر ہے، کسی اور کا خون نہ بہے۔ اس موقع پر پورا مدینہ منورہ آباد ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بار بار اجازت مانگتے ہیں مگر وہ شخص کامل جو حلم و حیا میں بھی کامل ہے، انہیں کشت و خون یا یوں سمجھو اپنے قاتلوں کا مقابلہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ موقف ایسا درست کہ اپنوں اور بیگانوں میں سے کسی ایک کو اختلاف کی جرات نہیں۔ مظلومی کا یہ حال اپنے مال سے خریدے ہوئے میٹھے پانی کے کنوئیں سے پانی پینے اور اپنے مال سے سے خریدی ہوئی مسجد کی زمین میں دو رکعت نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہیں۔ لائیے تاریخ عالم سے ایک بھی ایسی مثال جہاں کسی سربراہ حکومت کے خون کا ایسا احترام ہو۔ یہ ہیں وہ لوگ جنھیں اللہ جل جلالہ کے حبیب مکرم ﷺ نے بنی نوع انسان کے مسائل حل کرنے کی تربیت دی۔ ہاں ہاں ان کی سیرت مقدسہ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی سیرت طیبہ ہی کا پرتو ہے۔

.......﴿ اظہار تعزیت ﴾.......

جامعہ انوار لاثانی کے صدر مدرس حضرت علامہ محمد سعید صاحب کی والدہ محترمہ انتقال فرما گئی ہیں، **انا لله و ان عليه راجعون**

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے سے ان کی مغفرت اور درجات کی بلندی فرمائے۔ ادارہ انکے شریک غم ہے۔

اتحاد ملت

قسط: 31 کی ضرورت وصورت

پروفیسر محمد حسین آسی

(عزیزم عبدالودود صاحب کے خط کا جواب کا دوسرا حصہ)

بات یہ ہو رہی تھی کہ کلمہ، اذان، نماز جیسی عظیم الشان عبادات اور پھر ان کے ساتھ کثیر آیات وروایات پوری صراحت سے حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کے زندہ اور حاضر وناظر ہونے کا اعلان کر رہی ہیں تو پھر دشمنوں کے کالے منہ کو انکار کی جرات کیونکر ہوئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا جواب دور غلامی کے منحوس سائے کے سوا کچھ نہیں۔ انگریزوں کے ناپاک قدم برصغیر کی سرزمین میں آئے تو عقائد میں بھی کچھ ہلچل پیدا ہوئی۔ وہ عقائد جن پر پوری امت کا اتفاق تھا اور قریباً صدر اسلام سے لے کر اب تک کسی نے بھی انکار نہیں کیا تھا، ترمیم کے مستحق ٹھہرائے گئے اور انگریزوں کے منحوس اقتدار نے ان میں اپنا عمل دخل شروع کر دیا۔ وہ اسلام کی تابناک تاریخ میں غازیان صف شکن کی یلغاروں اور شوق شہادت کے ولولوں کا مطالعہ کر چکے تھے۔ نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی علیہما الرحمہ کی تیغ زنی کی روایات ان کی نیندیں حرام کئے دیتی تھیں۔ اگر چہ ہلاکو خاں اور چنگیز خاں جیسے سفاک بھی اپنے اپنے دور میں قیامتیں برپا کر چکے تھے مگر اس کے باوجود ملت اسلامیہ کا اپنے پاؤں پر بار بار کھڑا ہونا، پھر ماضی کی آب وتاب سے بہرہ ور ہونا اور نعرہ ہائے توحید ورسالت کا دشت وجبل میں گونجنا بھی ایک نا قابل انکار حقیقت تھی۔ اس لئے دشمنان اسلام کئی صدیوں سے پریشان تھے کہ اگر یہ امت پھر بیدار اور متحرک ہوگئی تو نتیجہ کیا ہوگا۔ اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے وہ امت کے دل سے شوق جہاد محو کرنا چاہتے تھے اور یہ بھی ان کے علم میں تھا کہ ولولہ جہاد کا سارا دارومدار جذبہ عشق رسول ﷺ پر ہے، لہذا اسے معاذ اللہ ختم کرنے پر تل گئے۔ عشق رسول سے امت کو محروم کرنے کے لئے وہ ضروری سمجھتے تھے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو عام انسانوں کی طرح ماننے کی بنیاد (بے بنیاد) رکھی جائے اور آپ کے فضائل وکمالات کا انکار کرایا جائے۔

بقول ہمفرے (ایک انگریز جاسوس تھا) اسلام دشمن انگریزوں کو اس عقیدے سے بڑی چڑ تھی کہ مسلمان اپنے نبی ﷺ کو اس طرح پکاریں کہ وہ زندہ ہیں (مثلاً نعرہ رسالت یا رسول اللہ اور الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ) چنانچہ یہ عقیدہ اور اسی قسم کے دوسرے عقائد جنھیں شیطانی قوتیں اپنے لئے بہت ہی خطرناک سمجھتی تھیں، مسلمانوں سے منظم طریقے سے ختم کرنے کے لئے انھوں نے مختلف لوگوں پر 'ورک' (work) کرنا شروع کر دیا اور بقول ہمفرے خود اس کی رات دن کی محنت کا کرشمہ تھا کہ 'صاحبزادہ محمد ابن عبدالوہاب' کا 'ظہور' ہوا۔ یہ صاحب نجد کے رہنے والے تھے اور ان دنوں جب انھیں بدترین اسلام دشمنوں کے مکارترین نمائندے (ہمفرے) کا شرف صحبت وشاگردی حاصل ہوا، بصرے میں تھے۔

''صاحبزادہ'' محمد بن عبدالوہاب نجدی ایک جدی پشتی 'پیر' کے بدمزاج لخت جگر تھے۔ یاد رکھیں پیر کامل کا صالح فرزند حمایت حق میں شاید اتنا کام نہیں کرسکتا جتنا اس کا بگڑا ہوا بیٹا باطل کے لئے کارگر و مفید ہوسکتا ہے۔ ایسے صاحبزادوں کو گمراہ بلکہ گمراہ گر بنانا بہت آسان ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ ہمفرے 'صاحبزادہ صاحب' کا استاد تھا، اس نے بڑی 'استادی' سے انھیں اپنا ہمنوا بنایا ان کے مزاج کے ڈھیلے پرزے اور کسے چنانچہ طبیعت میں بچپن سے جو فرعونیت تھی وہ کئی گنا ہوگئی۔ پھر استاد (ہمفرے) کے فیض اور شاگرد (ابن عبدالوہاب) کے استفافے سے 'کتاب التوحید' وجود میں آگئی۔ یہ واقعہ عرب علاقوں میں رونما ہوا تھا۔ ادھر اس دور کے برصغیر میں انگریز حصول اقتدار کے لئے دن رات سازشوں میں مصروف تھے۔ خاندان مغلیہ کے آخری تاجداروں کی نا اہلی وعیاشی، ریاستوں کے نوابوں اور راجاؤں کی عام طور پر مخصوص معاملہ نافہمی، غداروں کی کثرت اور ان سب سے بڑھ کر باہر سے آنے والے من کے کالے اور تن کے گورے انگریزوں کے شاطرانہ منصوبے رنگ لانے لگے اور انگریزی اقتدار کی منحوس منزل قریب آتی گئی۔ پھر بھی انگریز اسے آسان نہیں سمجھتے تھے۔ کیوں؟ کثیر التعداد ہندوؤں سے تو اسے کوئی خاص خطرہ نہیں تھا۔ انھیں اصل خطرہ تھا مسلمانوں کی طرف سے مزاحمت کا، انھی سے وہ حکومت چھین رہے تھے اور یہی حکومت کی اہلیت بھی ثابت کرچکے تھے (جنھوں نے قلیل التعداد ہوکر بھی کثیر التعداد ہندوؤں کو صدیوں زیرنگیں رکھا تھا)

مسلمان اپنا تمدن، اپنی تہذیب، اپنا نصاب تعلیم اور اپنا نظام حکومت رکھتے تھے۔ فکری و اعتقادی طور پر یہ لوگ ۹۹ فیصد ہی نہیں، ۹۹۹ فی ہزار سے بھی زیادہ باہم متفق تھے۔ چند شیعہ خانوادوں کے سوا اسلام کے سب مدعی سنی وحنفی تھے۔ پھر یہ لوگ اپنے دین و مذہب کے بارے میں بڑے حساس تھے۔ ہاں ہاں یہ سب کچھ برداشت کرسکتے تھے مگر اپنے اللہ، اپنے رسول ﷺ، اپنے قرآن اور اپنے دین کے بارے میں بظاہر ہلکی سی بے ادبی بھی برداشت نہیں کرسکتے تھے اور ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر مرنے مارنے پر اتر آتے تھے۔ خصوصی طور پر اپنے نبی ﷺ سے ان کا پیار تو بالکل مثالی تھا۔ سب جانتے ہیں عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں اور وہ انھیں خدا اور خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ مسیحی اپنے مسیحا کے بارے میں زیادہ حساس نہیں۔ چنانچہ ابھی چند سال پہلے انگریز ڈاکٹر محمد ہارون مرحوم مانچسٹر میں مسلمان ہوئے۔ انھوں نے اپنے ایمان لانے کا تذکرہ جس کتاب میں کیا ہے۔ اس کا نام ہے

Why I accepted Islam.

(یعنی میں نے اسلام کیوں قبول کیا)

انھوں نے اس میں واشگاف انداز میں بیان کیا ہے کہ موجودہ دور کے عیسائی خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہیں۔ مگر حضور پر نور ﷺ کے بارے میں یہ صورت حال کبھی اور کہیں نہیں ہوئی۔ انگریز مسلمانوں کے دلوں پر حضور سید المرسلین ﷺ کا یہ قبضہ توڑنا چاہتے تھے۔ اس کی صورت انھیں یہی نظر آتی تھی کہ وہ کثیر التعداد بلکہ ان گنت کمالات جو سرور عالم ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے یقینی طور پر مخصوص سمجھے جاتے ہیں، ان کا انکار کرایا جائے اور جس محبوب یکتا ﷺ کی یکتائی کو اپنے پرائے سب خراج تحسین پیش کرتے ہیں انھیں بالکل عام انسانوں کی طرح پیش کیا جائے یعنی اس قسم کی باتیں مسلم معاشرے میں عام ہوجائیں اللہ کا نبی نبی ہونے کے باوجود عام انسانوں کی طرح ہے۔ ان کا بھائی یا زیادہ سے زیادہ بڑا بھائی ہے۔ ہاں ہاں جن پر بات بات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فداہ ابی و امی کہہ کر اپنے ماں باپ وارا کرتے تھے، انھیں باپ بھی نہیں کہنا بلکہ بھائی ہی کہتے۔ انھیں گاؤں کے چودھری کی حیثیت سے پیش کیا جائے (کہ یعنی اس حیثیت سے زور دیا جائے جو سب معاشرتی

حیثیتوں میں سب سے کم ہے، تھانیدار، مجسٹریٹ، ڈی سی، وزیر، گورنر وغیرہ) ان کے علم غیب کا جس کے ذریعے عالم غیب کا تعارف کراتے ہیں انکار کرایا جائے اور یوں دین کے سارے نظام کو مشکوک ظاہر کیا جائے)

برصغیر میں جوں جوں انگریز کا اقتدار پھیلتا گیا اور مضبوط ہوتا گیا اسلام کے خلاف ان کے منصوبے تیز تر ہوتے گئے۔ چنانچہ یہاں بھی اس رسول دشمنی کی علمبرداری کے لئے ایک 'صاحبزادہ' تلاش کر لیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا پوتا، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا بھتیجا اور جناب شاہ عبدالغنی کا فرزندِ ناہنجار تھا اور اس کا نام تھا محمد اسمٰعیل۔ حضرت شاہ عبدالقادر اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب بھی اس کے چچے تھے۔ یہ سارا خاندان ایک مدت سے اسلامیانِ ہند کا مرجع اور علمی و عملی قائد تھا۔ اسمٰعیل جیسے عیاش اور کھلنڈرے نوجوان کی باقاعدہ تربیت نہیں ہوئی تھی کہ اسلام دشمنوں کے ساتھ اس کے ربط وضبط میں اضافہ ہونے لگا حتیٰ کہ جن آقاؤں نے نجد کے ایک 'صاحبزادے' محمد بن عبدالوہاب کی برین واشنگ کی تھی، انھی کی قوم کے دوسرے افراد نے اس دوسرے 'صاحبزادے' کی برین واشنگ بھی اسی انداز میں کی اور جو باغیانہ اور غدارانہ افکار نجدی 'صاحبزادے' کا سامان حیات تھے، وہی اس دہلوی صاحبزادے کا بن گئے۔ مسلمانوں کی اس بے چینی کا کون اندازہ کر سکتا ہے جب ایک بدلگام بدبخت 'صاحبزادہ' دلی کے مختلف چوکوں میں کھڑے ہو کر حضور سرورکون ومکان، مالک این وآں، مقصود بزم کائنات، وجہ وجیہہ حیات حضور سرور عالم نور مجسم ﷺ کے فضائل وکمالات کا کھلے بندوں انکار کرتا تھا اور اس 'کفر' کو توحید کا نام دیتا تھا۔ ساری تاریخ برصغیر میں اگر آپ سب سے پہلا منحوس گستاخ رسول ڈھونڈنا چاہیں تو یہی نام نہاد صاحبزادہ اسمٰعیل تھا۔ جس نے گستاخی رسول کی برصغیر میں بنیاد رکھی اور بعد میں آنے والے تمام گستاخانِ رسول کے عذاب میں حصہ دار ہوا۔

عبدالودود صاحب! یہ سطور لکھ کر میں بھی جذباتی ہو گیا ہوں۔ یوں لگتا ہے جیسا تصور مجھے دلی کے ان گلی کوچوں میں گھمار ہا ہے۔ جہاں ایک نہایت ہی مکروہ خناس نہایت ہی مکروہ زبان سے نہایت ہی مکروہ الفاظ میں نہایت ہی مکروہ انداز اپنا کر نہایت ہی مکروہ خرافات بکتا تھا، وہ خبیث الفطرت انسان کبھی حضور پر نور شافع یوم النشور ﷺ کے مختلف علوم ومعارف کا انکار کرتا ہے اور کبھی کمالات وتصرفات کا، اور محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کی آل اطہار کا سگ حقیر وفقیر آسی بھی اسے ترکی بہ ترکی سناتا ہے اس انتہائی جذباتی تصوراتی فضا میں مجھے ایک یار پنجابی کے مشہور شاعر دائم اقبال دائم مرحوم کا ایک فقرہ یاد آجاتا ہے، وہ اس قسم کے صاحبزادے کے بارے میں وہ کہا کرتا تھا۔

''پیر کا بیٹا ہونے کی وجہ سے پیرزادہ کہلاتا ہے، پھر اسی بنا پر اسے صاحبزادہ کہتے ہیں۔ دولت ونعمت کے انبار لگ جاتے ہیں۔ تو وہ امیرزادہ بن جاتا ہے اور پھر غرور وتکبر کا پتلا بن جاتا ہے تو پوری طرح 'حرامزادہ' ہو جاتا ہے۔''

حق یہ ہے کہ گستاخ رسول کے لئے اس قسم کے الفاظ کوئی معنیٰ نہیں رکھتے۔ وہ تو ازلی وابدی لعنتوں کا مستحق ہے۔ واللہ میں پوری کوششوں کے باوجود گستاخ رسول کے لئے کوئی لفظ موزوں نہیں پارہا۔ آپ میری مجبوری کو سمجھتے ہوں گے، سوچئے جس شیطان ملعون نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تھا، آپ اسے سخت سست کہنا چاہیں تو حرامزادہ یا الو کا پٹھا قسم کے الفاظ کی اس کے سامنے کیا حیثیت ہے۔ اس کے لئے کچھ نہ کچھ شایان شان لفظ یہی ہے کہ آپ اسے شیطان یا ملعون کہہ دیں۔ اب اگر کوئی جناب حضرت آدم علیہ السلام کو سجدے سے انکار کرتا ہے تو ملعون ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا ایسا شخص اصل آدم وآدمیاں، جان عالم وعالمیاں حضور پرنور ﷺ کی عظمت ووجاہت کا منکر ہے تو اسے کیا کہنا چاہئے۔ کیا وہ شیطانوں کا شیطان نہیں، کیا وہ ملعونوں کا ملعون نہیں۔ لفظ 'حرام زادہ' اس کے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہے۔ قرآن پاک نے جو گستاخ کے لئے زنیم)

حرام زادہ و بے اصل) کا لفظ اختیار فرمایا ہے تو دراصل یہ اس کی حقیقت بیان کی ہے یعنی ایسا شخص جو کائنات کی محترم ترین ہستی ﷺ کی شان میں اول فول بکتا ہے، اپنی اصل کے اعتبار سے ضرور 'بے اصل' ہے۔ چنانچہ 'ولید بن مغیرہ' جس کی شان میں یہ لفظ وارد ہوا تھا، خود اس نے اپنی ماں سے اس سند پر مہر تصدیق ثبت کرالی تھی۔ فاتح مرزائیت جناب طاہر عبدالرزاق صاحب مدظلہ سرپرست شعبہ ختم نبوت تحریک شیران اسلام نے اس عنوان پر خوب داد تحقیق دی ہے۔ وہ دلائل سے ثابت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کا گستاخ مرزا قادیانی بھی زنیم (یعنی حرامزادہ) تھا اور جن بدبخت ترین افراد کو اس کی اولاد کہا جاتا ہے، وہ سب حکیم نورالدین ملعون کی اولاد زنا تھی۔ ملکہ وکٹوریہ جس کی شہ پر قادیانی نے دعویٰ نبوت کا ڈھونگ رچایا تھا۔ طاہر صاحب مدظلہ کی تحقیق کے مطابق وہ بھی حرامزادی تھی۔

اسمٰعیل دہلوی نے محبوب خدا علیہ التحیۃ والثنا کی دلآزاری کرکے کائنات کی سب سے بڑی لعنت حاصل کرلی تو عوام وخواص کی نظر میں گرگیا، تاہم اس کا مشن جاری رہا۔ اس دور میں دلی پر انگریز ریذیڈنٹ کی حکومت ہوتی تھی۔ جب اس کے پاس شکایت کی جاتی، تو وہ ملعون جواب دیتا۔

''ہماری عملداری میں سب کو مذہبی آزادی حاصل ہے''

ظاہر ہے وہ اپنے پالتو کتے پر کیوں ہاتھ ڈالتے۔ جب بہرحال وہ بکتا گیا، مسلمانوں کے دل دکھاتا گیا۔ مسلمان اس سے نفرت کرنے لگے تاہم آوارہ واوباش کھلنڈرے مادر پدر آزاد نوجوان اس کے ساتھ اسی طرح گھومنے پھرنے لگے جس طرح آج بھی پیروں اور چودھریوں کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ بے فکرے نوجوانوں کا ایک ہجوم لگ جاتا ہے۔ اس قسم کے سب آوارہ نوجوان اسمٰعیل کی طرح انگریزوں کی آنکھ کے تارے تھے، وہ ان سب کی ناز برداری کرتے تھے۔ مسلمانوں پر دور زوال آچکا تھا، لہذا یہ لوگ بھی بڑھتے رہے۔ کہتے ہیں جہاں تک اسمٰعیل دہلوی کی آواز پہنچتی گئی، اہل ایمان پریشان ہوتے گئے، اگرچہ حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمۃ کے وصال شریف سے پہلے ہی اسمٰعیل کا سودا ہوچکا تھا اور اس نے اپنے منحوس ترین کاروبار کا آغاز کردیا تھا۔ پھر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی وجہ سے اس کی رفتار نہایت مدھم تھی۔ آپ کا وصال شریف ہوگیا تو اسمٰعیل کھل گیا اور پھر کھلتا ہی گیا۔ دیار وامصار کے مسلمان انگریزوں کی سازش بھانپ گئے تو انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کے خاندان کے دوسرے صاحبزادوں سے رابطہ کیا اور یوں جامع مسجد دہلی میں ایک دن مناظرے کا دن طے ہوگیا۔ یہاں سوال جواب ہوئے اور اسمٰعیل دہلوی ایک دو ساتھیوں سمیت یہاں خوب رسوا ہوا۔ بیچارگی کے عالم میں اس پارٹی نے اکابر ملت سے وعدے بھی کیے مگر باہر جاکر مکر گئے۔ کتنے ذلیل تھے یہ لوگ کہ کثیر التعداد بزرگوں کی موجودگی میں وعدہ کرکے بھی قائم نہ رہے۔ ہاں ہاں حدیث پاک میں منافق کی ایک نشانی یہی بتائی گئی کہ **واذا وعد اخلف** (یعنی جب وہ وعدہ کرتا ہے تو اس سے پھر جاتا ہے)

نجدی صاحبزادے کی انگریزی تربیت کا آغاز نجدیت کا نقطہ آغاز تھا اور پھر موجودہ سعودی حکمران خاندان کا برطانیہ سے معاہدہ کرکے برسر اقتدار آنا اس کی گویا تکمیل۔ یہ معاہدہ ۱۹۱۵ء میں ہوا اور ۱۹۲۶ء میں نجدی حجاز وغیرہ قابض ہوگئے اور خلافت عثمانیہ ختم ہوگئی۔ اور اس معاہدے کا ترجمہ ملاحظہ ہو

> **دفعہ اول:** حکومت برطانیہ اعتراف کرتی ہے کہ علاقہ جات نجد، جلیل اور خلیج فارس کے ملحقہ مقامات جن کی حد بندی بعد کو ہوگی، یہ سلطان ابن سعود کے علاقہ جات ہیں اور حکومت برطانیہ اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ ان مقامات کا مستقل حاکم سلطان مذکورہ اور اس کی اولادیں اور اس کے بعد ان کے لڑکے ان کے صحیح وارث ہوں گے لیکن ان ورثاء میں سے کسی ایک کی سلطنت

کے انتخاب وتقرر کے لئے یہ شرط ہوگی کہ وہ شخص سلطنت برطانیہ کا مخالف نہ ہو۔

دفعہ دوم: اگر کوئی شخص یا اجنبی طاقت سلطان ابن سعود اور اس کے ورثاء کے ممالک پر حکومت برطانیہ کے مشورے کے بغیر حملہ آور ہوئے تو حکومت برطانیہ ابن سعود سے مشورہ کر کے، حملہ آور حکومت کے خلاف ابن سعود کی مدد کرے گی۔

دفعہ سوم: ابن سعود اس معاہدے پر راضی ہے اور وعدہ کرتا ہے کہ وہ کسی غیر قوم یا سلطنت کے ساتھ کسی قسم کی گفتگو یا سمجھوتا اور معاہدہ کرنے سے پرہیز کرے گا اور ممالک مذکورہ بالا کے متعلق اگر کوئی حکومت دخل دے گی تو ابن سعود فوراً حکومت برطانیہ کو اس امر کی اطلاع دے گا۔

دفعہ چہارم: ابن سعود عہد کرتا ہے کہ وہ اس عہد سے پھرے گا نہیں اور وہ ممالک نجد کو یا ان کے کسی حصے کو حکومت برطانیہ سے مشورہ کئے بغیر بیچنے یا رہن رکھنے یا کسی قسم کے تصرف کرنے کا مجاز نہ ہوگا اور اس کو اس امر کا اختیار نہ ہوگا کہ کسی حکومت یا کسی حکومت کی رعایا کو برطانیہ کی مرضی کے خلاف ممالک مذکورہ بالا میں کوئی رعایت یا لائسنس دے۔ ابن سعود وعدہ کرتا ہے کہ وہ حکومت برطانیہ کے ارشاد کی تکمیل کرے گا۔

(مورخہ ۱۸ صفر ۱۳۳۴ھ ۲ نومبر ۱۹۱۵ مہر دستخط عبدالعزیز ابن سعود دستخط بی ریڈ کاکس وکیل معاہدہ ہذا نمائندہ برطانیہ خلیج فارس دستخط چیمسفورڈ نائب معظم وائسرے ہند)،

(مزید تفصیل اس کی دیکھئے کتاب 'منزل کی تلاش' مصنفہ محمد نجم مصطفائی)

یہودیوں کے متعلق ابن عبدالعزیز ابن سعود نے جو معاہدہ کیا' اس کا ترجمہ بھی ملاحظہ ہو

'میں سلطان عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن آل فیصل آل سعود برطانیہ عظمٰی کے مندوب سر برسی کوکس کے لئے ایک ہزار مرتبہ اس بات کا اعتراف واقرار کرتا ہوں کہ فلسطین کو یہودیوں کے حوالے کرنے پر مجھے کوئی اعتراض نہیں یا برطانیہ اس فلسطین کو جسے چاہے دے دے میں برطانیہ کی رائے سے صبح قیامت تک اختلاف وانحراف نہیں کر سکتا۔

یہ ہے تثلیث کے سامنے ان کے سر تسلیم ورضا خم ہونے کا حال اور پھر اس کے بعد برسر اقتدار آنے کے بعد طائف، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ہزاروں لاکھوں کا قتل عام۔ وہابیت اپنے خدوخال کی ایک نامکمل تصویر' ہم یہاں تمام تفصیلات چھوڑ کر اسی کتاب کے ایک دو اقتباس مزید پیش کرتے ہیں۔

"کربلا معلی کی تباہی کے بعد نجدیوں نے مکہ معظمہ پر حملہ کیا۔ ابن عبدالوہاب نجدی کی تعلیمات سے متاثر ہونے والا فرمانبردار چیلا ابن سعود اپنے ڈاکوؤں اور لیٹروں کو لے کر مکہ شریف پر حملہ آور ہوا۔ پھر ان ظالموں نے چنگیز خاں' ہلاکو خاں اور تاتاریوں کا کردار ادا کرتے ہوئے مسلمانوں کے مال متاع کو بے دریغ لوٹا۔ بے شمار مسلمان مردوں، عورتوں اور چھوٹے ناسمجھ بچوں کو شہید کیا اور حرم شریف کی مقدس سرزمین کو خون آلود کیا۔ حرم شریف کے خدمتگاروں اور مجاوروں تک کو زندہ نہ چھوڑا۔ خانہ کعبہ کے مقدس غلاف پھاڑ دیئے۔ چاروں مصلے جلا دیئے جو آج تک آباد نہ ہو سکے" (منزل کی تلاش بحوالہ الدولۃ العثمانیہ)

فتح مکہ کے موقع پر مکہ معظمہ میں اللہ کے سب سے بڑے حبیب مکرم ﷺ کس شان عفو وکرم سے داخل ہوئے، ساری دنیا حیران ہے، دشمنوں کے بدترین مظالم اور حضور رحمۃ للعلمین ﷺ کا بہترین عفو۔ مشرکین مکہ کی بدترین شرارتیں اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین عنایتیں۔

پوری تاریخ انسانیت میں اس داخلے کی مثال نہیں مل سکتی مشہور مورخ سٹینلے لین پول کہتا ہے

It was thus Mohammad entered again his native city . Through all the annals of the conquest, There is no trumphat entry comparable to this one.(The speeches and Table talk of the Prophet Mohammad)

یہ تھا وہ کریمانہ انداز جس میں حضور ﷺ دوبارہ اپنے شہر ولادت میں داخل ہوئے۔ فتح وکامرانی کی ساری تاریخ میں کسی بھی فاتحانہ داخلے کو اس سے کوئی نسبت نہیں

جس طرح حضور جان عطاء ورحمت ﷺ نے عفو وکرم کی انتہا کردی، اور وہ بھی مشرکین مکہ پر، یونہی اس کے برعکس نجد کے بدو عبدالعزیز ابن سعود نے ظلم وستم کی انتہا کردی اور وہ بھی اہل توحید وایمان پر۔ پھر بھی اس کے اندر کا خناس ملاحظہ ہو، فتح مکہ کے موقع پر حضور پرنور ﷺ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا

لا اله الا الله وحده لا شریک له صدق الله وعده ونصر عبده و هزم الاحزاب کله

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی خدا نہیں وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندے کی مدد فرمائی تنہا دشمن کے لشکروں کو شکست دی (ضیاء النبی، بحوالہ زاد المعاد)

بالکل انہیں لفظوں میں طائف اور حرم مکہ میں بدترین ظلم وستم ڈھالینے کے بعد عبدالعزیز ابن سعود نے دیا۔

یہ تحریر زیادہ تفصیل کی متحمل نہیں، تاہم کلیجے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسی کتاب سے ایک اور اقتباس بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

"چنانچہ اس کے نجدی پیروکار گنبد خضرا پر چڑھ گئے، وہ بد بخت لوگ گنبد خضرا کو ڈھا دینا چاہتے تھے کہ اس وقت غیب سے قہر خداوندی کا ایک شعلہ ظاہر ہوا کہ گنبد خضرا چڑھنے والوں کو جلا کر خاکستر کردیا اور وہ اپنے ناپاک منصوبے میں کامیاب نہ ہوسکے۔"

سعودی حکومت کا آغاز کیا ہوا۔ ظلم وستم کی ایک طویل رات چھا گئی۔ تثلیث کے فرزندوں نے انہیں توحید سکھلادی تھی جس کا اسلام و ایمان اور کتاب وسنت سے کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کے اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مزارات مقدسہ پر بڑی بے رحمی سے بلڈوزر چلائے۔ تاریخ اسلام کی وہ عظیم نشانیاں مسلمان جنہیں شروع سے سینے سے لگائے ہوئے تھے، جن سے انہیں رہنمائی ملتی تھی، جوش وجذبہ ملتا تھا بلکہ زندگی ملتی تھی، نجدی شیطانوں نے یا ان کے ذریعے سے ان کے بیرونی آقاؤں نے ان کا نام ونشان تک نہ رہنے دیا۔ یوں لگتا ہے جیسے ہر نجدی کو شیطان نے سمجھا دیا تھا۔

سبق پھر پڑھ قساوت کا، سفاہت کا، شقاوت کا
لیا جائے گا جو تجھ سے کام غداریٔ ملت کا

یہ ہیں 'کارنامے' ان فرزندان نجد کے جنہوں نے اپنی تاریخ کا نقشہ بدلا، اپنی روایات کو ظلماً تباہ کیا اور اپنوں کا یعنی مسلمانوں کا خون بہایا۔

آج ہر سچا مسلمان کشمیر میں بھارت کے مظالم، فلسطین میں یہود کے ظلم وستم، افغانستان عراق میں شیطان اکبر بش کی خونفشانیوں پر سراپا فریاد ہے مگر انصاف سے بتایئے نجدی درندوں کی سنگدلی سے ان سب کو کیا نسبت ہے ان حواغیت نے دکانوں پر بیٹھے ہوئے، گلی کوچوں میں پھرتے ہوؤں،

مسجد حرام میں نماز پڑھتے اور اذان دینے والوں کا خون بہایا اور وہ حرمین شریفین جہاں جانور تک حتیٰ کہ جوں تک کا مارنا ممنوع ہے، ہزاروں لاکھوں فرزندان اسلام کا خون پانی کی طرح بہایا۔ فرمایئے سعودی حکومت نے جو کچھ بھی کیا' اسی وہم میں کیا کہ یہاں شرک ہو رہا ہے حالانکہ حضور پر نور' الصادق والامین ﷺ یہ گارنٹی دے چکے تھے عرب میں شرک نہیں ہوگا۔

روی مسلم فی صحیحه عن جابر ابن عبدالله عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال الشیطان قد ایس ان یعبده المصلون فی جزیرة العرب ولکن فی التحریش بینهم

ترجمہ: امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ شیطان اس بات سے مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرہ عرب میں اس کی پرستش کی جائے لیکن وہ ان کو آپس میں لڑاتا رہے گا۔

کیا حضور جان کرم ﷺ نے عرب تو عرب' ساری امت کی بابت قسم کھا کر اس اطمینان کا اظہار نہیں فرمایا۔ ''مجھے امت کے شرک میں مبتلا ہونے کا ڈر نہیں''۔

وانی والله ما أخاف علیکم أن تشر کو ا بعدی و لکن أخاف علیکم أن تنافسو ا فیها

ترجمہ: اللہ کی قسم مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے لیکن مجھے یہ اندیشہ ہے کہ ان خزانوں کو دوسروں سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش کرو گے۔

پھر کیا ان نجدی درندوں کے ظلم و ستم کی طرف 'نام نجد' کی صراحت کے ساتھ اشارہ نہیں فرمایا۔

للبخاری عنه مر فو عا اللهم بار ک لنا فی شامنا و یمننا، اللهم بار ک لنا فی شامنا قالو ا فی نجد نا قال اللهم بار ک لنا فی شامنا و یمننا قالوا فی نجدنا فاظنه قال فی الثالثة هنا ک الذلا زل والفتن و بها یطلع قرن الشیطان (بخاری شریف کتاب الفتن)

بخاری شریف میں روایت ہے کہ سرکار نے فرمایا اے اللہ ہمارے شام میں اور یمن میں برکت نازل فرما اے اللہ ہمارے شام اور یمن میں برکت نازل فرما صحابہ نے عرض کی حضور ہمارے نجد میں، روای کہتا ہے کہ آپ نے فرمایا اے اللہ ہمارے شام میں اور ہمارے یمن میں برکت نازل فرما صحابہ نے عرض کی ہمارے نجد میں راوی کہتا ہے کہ میرا خیال آپ نے تیسری بار فرمایا وہاں سے زلزلوں اور فتنوں کا ظہور ہوگا اور شیطان کا سینگ وہاں سے نکلے گا۔

کیا حضور پر نور ﷺ نجد کی طرف اشارہ کر کے نہیں فرمایا کرتے تھے **الفتنة ههنا الفتنة ها هنا من حیث یطلع قرن الشیطان** (بخاری شریف کتاب الفتن)

کیا سرکار دو عالم ﷺ نے انہی کے بارے میں ارشاد نہیں فرمایا

یقتلون اهل الاسلام و ید عون اهل الاوثان

اہل اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے (مشکوٰۃ شریف)

آخر میں میں بڑے ادب سے پوچھتا ہوں فرمایئے سعودی عرب کی موجودہ حکومت میں کونسی بات اسلام اور کتاب و سنت کی ہدایات کے مطابق

ہے۔کیا وہاں پر اسلامی وقرآنی حکومت کی طرح کلمۂ حق پر پابندی نہیں۔کیا وہاں اور تو اور خود حرمین شریفین میں فسق وفجور سے لبریز جس معاشرت کو اپنایا جارہا ہے اس کے کسی گوشے میں زہد وتقویٰ کا کچھ تصور بھی کہیں موجود نہیں، ہاں حدود وتعزیرات کا نظام دکھاوے کی حد تک قائم ہے' وہاں قریب جا کر دیکھ لیں کیا اس میں ہلکے سے ہلکے انصاف کے تقاضے پورے کئے جاتے ہیں۔جب یہ کچھ بھی نہیں تو ماننا ہوگا اسلام دشمنوں کے بندے اللہ کے بندوں پر جبراً مسلط ہیں اور کتاب وسنت کے خلاف کتاب وسنت کے نام پر کتاب وسنت کے ماننے والوں پر جور وجفا کی قیامتیں توڑ رہے ہیں۔

یہ تھی انگریزوں کے غلام نمبرا محمد بن عبدالوہاب کی داستان ضمیر فروشی اور عالم اسلام کے حق میں اس کے کچھ منحوس اثرات۔

پھر غلام نمبر۲ کی طرف:اب پھر انگریزوں کے غلام نمبر۲ یعنی اسمٰعیل دہلوی کی طرف جب اس کے ذریعے نجدیت و وہابیت کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور چند دنوں کے اندر اندر اس کے اثرات دور دور تک پہنچ گئے۔حتیٰ کہ تین خداؤں کے ماننے والے انگریزوں نے اس کی ناپاک کتاب تقویت الایمان کے ایڈیشن شائع کر کے پورے برصغیر میں پھیلا دیئے تو ایک شور سا مچ گیا۔مسلمان جو اس وقت تک فکری طور پر متحد تھے' ہر جگہ باہم دست وگریباں ہونے لگے۔اس سے اسلام دشمن انگریزوں کی اور حوصلہ افزائی ہوئی۔یہ بات پہلے بھی بار بار آچکی ہے کہ پورے برعظیم میں مسلمان سب کے سب حنفی تھے۔یعنی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ﷺ کے مقلد کیونکہ تبلیغ اسلام کے لئے یہاں جتنے بھی صوفیہ عظام علیہم الرضوان تشریف لائے تھے' سب کے سب حنفی تھے تو لامحالہ ان کے ہاتھ پر حلقہ بگوش اسلام ہونے والے بھی احناف ہی ہوتے۔اسمٰعیل کے لئے انتشار پھیلانے کے لئے یہ ایک اور میدان نکل آیا۔یعنی پہلا فکر واعتقادی کہ توحید کے نام فضائل وکمالات نبویہ کا انکار اور اب یہ دوسرا یعنی فاتحہ خلف الامام، امین بالجہر رفع یدین وغیرہ۔

اب اگر آپ دیکھنا چاہیں کہ برصغیر میں جب بڑے بڑے محدثین ومفسرین آئے تھے۔یہاں سب سے پہلے اس قسم کے مسائل کو چھیڑنے والا اور عمل کرنے والا ان فروعی مسائل کے ذریعہ اتحاد ملت کو پارہ پارہ کرنے والا کون تھا تو ماننا ہوگا' اسماعیل دہلوی۔میں نے یہ بات بھی بار ہا بیان کی ہے کہ اس قسم کے مسائل اس قابل نہیں ہوتے کہ انہیں وجہ انتشار بنالیا جائے۔مثلاً میں رفع یدین نہیں کرتا مگر ایک بستی میں جہاں دوسرے مذاہب (ہندو' سکھ) وغیرہ بھی موجود ہوں، اور وہ سب رفع یدین پر عمل کرنے والے ہوں تو مجھے بھی رفع یدین کر لینا چاہئے تاکہ مسلمانوں میں انتشار پیدا نہ ہو۔مگر اسمٰعیل چونکہ انتشار ہی چاہتا تھا (کہ اسے اسی بات پر اسی کے اسلام دشمن آقاؤں نے ملازم رکھا تھا)'۔اس نے ان مسائل کو بڑی ڈھٹائی سے اپنایا اس کے ماننے والے بھی آخر اس کے مقلد تھے۔وہ بھی 'قبول قول امام بلا دلیل' کے مصداق اس کی 'تقلید' کا حق ادا کرتے گئے۔اس کا فائدہ یہ ہوا یہ لوگ اپنی ایسی حرکات سے پہچانے جاتے اور عوام ان میں سے کسی کو نماز پڑھتے دیکھتے تو جان لیتے کہ یہ وہابی ہے اور انگریزوں کا جاسوس ہے۔انہیں یعنی عوام کو انگریزوں سے شدید نفرت تھی' فرش مسجد کو غسل دیتے اور ایسوں کی ایسی تیسی کر کے باہر پھینک آتے۔

انتشار کو مزید وسیع اور انتشار پھیلانے والوں کو مزید منظم کرنے کے لئے انہوں نے عربیک کالج دہلی کھولا۔خود فرمایئے اسلام دشمنوں کو عربی کی تعلیم سے کیا غرض ہوسکتی تھی' انہیں کتاب وسنت سے کیا دلچسپی تھی' فی الواقع کوئی دلچسپی نہیں تھی تو کالج کیوں' اسی کا جواب اکبر الہ آبادی علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا ہے

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

کالج کے قیام سے پہلے انہیں اس بات کی سمجھ آچکی تھی کہ کھلم کھلا رفع یدین وغیرہ پر عمل کرنے سے لوگ فوراً ہمیں پہچان جاتے ہیں اور

ہماری بات تک سننا پسند نہیں کرتے، لہذا بہتر ہے مکمل دھوکا دینے کے لئے نماز اور دوسرے فقہی مسائل میں حضرت امام حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کی جائے اور عقائد وہی جو اسمٰعیلی ٹکسال سے گھڑے گھڑائے ملے ہیں' اختیار کئے جائیں۔ یہ تھا وہ 'منہاج' جس پر عربیک کالج دہلی کے متعلمین کی تربیت ہوئی۔ گویا اس طرز تربیت کے تین نقاط تھے۔

۱۔ مقصود: انگریزی حکومت کو مضبوط کرنے اور ان کی ہدایات کے مطابق اسلام کی تشریحات یا بالاختصار انگریز کی غلامی ورضا جوئی

۲۔ انہیں عقائد کی تبلیغ کی جائے جو انگریزوں کی منظوری سے مولانا اسمٰعیل کے 'زرخیز' ذہن پروارد ہوئے تھے (جن کا لب لباب تھا سرور عالم ہادی اعظم رسول اکرم ﷺ کے فضائل وکمالات کا (معاذ اللہ) انکار توحید کے نام پر)

۳۔ خود کو حنفی ظاہر کرنا اور دھوکا مکمل کرنے کے لئے اسی کی تبلیغ واشاعت یوں جانئے اب 'وہابی' دو قسموں میں بٹ گئے ایک وہ جو اسمٰعیل دہلوی کی طرح غیر مقلد کہلاتے تھے دوسرے یہ ایک جچے تلے فیصلے کے مطابق جو احناف کے لبادے میں آئے اب بھی وہابیوں کی یہ دونوں قسمیں موجود ہیں اور اصل میں 'ایک' ہونے کے باوجود کہیں کہیں باہم الجھ بھی جاتی ہیں تاکہ عوام کو ان کے 'ایک' ہونے کا وہم نہ ہو۔

اس کالج میں جسے انگریزوں نے کھولا تھا' ایک بڑی نمایاں شخصیت تھی جنہیں 'مولانا' مملوک العلیٰ کہا جاتا ہے، سامنے سنّی ہوتے تو وہ اپنا نام مملوک العلی بتاتے وہابی ہوتے تو مملوک العلیٰ۔ یہ نانوتہ کے رہنے والے تھے۔ محمد قاسم بانی دارالعلوم دیوبند اور مولانا رشید احمد گنگوہی دونوں ان کے شاگردان 'رشید' تھے۔ کہتے ہیں دھوکے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے انھیں نے انہیں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ العزیز سے بیعت کرایا تھا۔ حنفی مذہب کے مطابق نماز اور وقت کے پیر کامل کے ہاتھ پر بیعت' اب انہیں وہابی کون کہہ سکتا۔ چنانچہ 'دیوبند' کا تعارف پورے برصغیر میں حنفیت کے مرکز کے طور پر کرایا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزوں کی مالی وروحانی امداد سے کھانے پینے کی بھی کوئی کمی نہیں تھی اور 'حنفیت' کے نام سے زمانہ بھی ان کی عظمت کا معترف ہوچلا تھا۔ پھر اس وقت جب انگریز اہل سنت کے مدارس دھڑا دھڑ بند کررہا تھا، ۱۸۶۷ء کے قریب یعنی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے دس سال بعد دیوبند کا قیام غنیمت سمجھا گیا۔

ظاہر ہے جن 'اہل وفا' کو عربی کالج دہلی میں یا اس کے اساتذہ کے ذریعے خصوصی تربیت دی گئی تھی' اب دیوبند میں اس کے ثمرات سمیٹنے کا وقت آ گیا تھا۔ یقیناً ان لوگوں نے خوب خوب حق نمک ادا کیا اور بڑے صبر وسکوں سے اپنے محسنوں کو راضی کرنے کی سعی جمیل کی۔ پھر یہ بات ان کے حق میں بڑے اطمینان کی تھی، غیر ملکی آقاؤں نے بھی ان کی وفا کی قدر کی اور ان کی جانبازانہ اداؤں کی خوب داد دی۔ یہ واقعہ ممکن ہے 'الحقیقہ' میں پہلے بھی آچکا ہو، تاہم 'دیوبند' کے مقصد 'تخلیق' اور اس کی افادیت کو سمجھنے کے لئے دوبارہ سن لیں۔

> جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپے ماہانہ پر کر رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد ومعاون سرکار ہے۔ (مولنا احسن نانوتوی مولفہ محمد ایوب قادری ایم اے)

غرض دارالعلوم دیوبند نے وہ سب کچھ کیا جس کی انگریز توقع رکھتے تھے یا آرزو۔ اساتذہ کی محنت شاقہ نے بہت سے 'فضلا' تیار کئے اور انہیں برصغیر کے طول وعرض میں پہنچا دیا جو ہر کہیں اپنے اساتذہ' اپنی مادر علمی اور ان کے اصل سرپرستوں (یعنی غیر ملکی آقاؤں) کے گن گاتے تھے۔ اب وہ وقت آ گیا کہ دیوبند کے سپوت اسلامی تعلیمات میں وسیع پیمانے پر ردوبدل کرتے۔ اب ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہوگئی تھی کہ ان کے زعم

کے مطابق ہر شور ان کے ہنگاموں کے مقابل میں دب جاتا تھا۔ یہاں مجھے انگریزی کے مشہور ڈرامہ نگار شیکسپئر کی کتاب MACBETH کا اقتباس پیش کرنا ہے (اسی قسم کی صورت حال سے تعلق رکھتا ہے)

یعنی صورت حال یہ ہے کہ میکبتھ ایک ظالم بادشاہ ہے۔اس کے ظلم وستم کے خوف سے بڑے بڑے معزز لوگ ملک سے بھاگ رہے ہیں۔ان بھاگنے والوں میں ایک رئیس میکڈف' بھی ہے۔اس کی بیوی اس صورت حال سے سخت پریشان ہے۔اس کا موقف یہ ہے شریف لوگ اپنے بیوی بچوں کو ظالموں کے حوالے کر کے خود ہی نہیں بھاک جاتے، وہ سخت جذباتی ہوگئی ہے اور اسی جذباتیت میں اپنے بچے سے اپنے خاوند سے بھاگ جانے پر تبصرہ کرتی ہے۔شیکسپئر نے اس Lady Madymacduef اور بچے کو Littke Macduef کہا ہے۔ماں بچے کے پوچھنے پر اپنے شوہر کو غدار کہہ رہی ہے اور کہتی ہے کہ اسے پھانسی دینی چاہئے۔بچہ پوچھتا ہے کہ کون ایسے غداروں کو پھانسی دے، ماں کہتی وفادار لوگ۔اس پر بچہ جو کچھ کہتا ہے وہ ہے اس سارے اقتباس کا مقصود۔وہ کہتا ہے۔

Then the lairs and sweares enow to beat the honestmen and hang them up.

ترجمہ: یعنی جھوٹے اور بے وفا کافی ہوگئے ہیں انھیں چاہئے دیانتدار لوگوں کو پھانسی دیں

کہیں اور ایسا ہوا کہ نہیں مگر سعودی عرب اور برصغیر میں یہی کچھ ہوا۔عملاً بھی مگر برصغیر میں صرف قولاً یعنی بے وفاؤں نے وفاداروں کو گردن زدنی قرار دیا۔

جناب عبدالودود صاحب! نجد و دیوبند کے ہاں بات چلانے، منوانے پھیلانے کا ایک خصوصی انداز ہے۔ان کے ہاں یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے تلامذہ اور مریدین کے اندر مشائخ و اساتذہ کا یہ تصور راسخ کر دیا جائے کہ وہ عام انسانی سطح سے بلند تر ہوتے ہیں اور ان سے غلطی کا صدور تقریباً ناممکن ہے (یہ تقریباً کا لفظ بھی میں اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں ورنہ یہ تقریباً ناممکن کے بجائے بالکل ناممکن سمجھتے ہیں۔جب یہ تصور راسخ ہو جاتا ہے تو پھر یہ جو چاہیں کہیں، انہیں پروانہیں ہوتی۔پھر یہ لوگ ادھر اپنے اساتذہ و مشائخ کو اوپر سے اوپر چڑھانے کی کوشش کرتے ہیں تو دوسری طرف محبوبان خدا انبیاء و اولیاء علیہم السلام والرضوان کو اوپر سے **معاذ اللہ** نیچے لانے کی کوشش کرتے ہیں حتیٰ کہ عام انسانوں اور ان میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔گویا نجد و دیوبند کے یا یوں سمجھئے انگریز کے بندے اوپر جاتے جاتے نجانے کن بلندیوں میں کھو جاتے ہیں کہ دوسرے لوگ ان کا تصور تک نہیں کر سکتے۔ان کے مقابل اللہ کے بندے ان کے ہاں کسی ترقی، کسی عظمت اور کسی فضیلت کے مستحق نہیں ہوتے حتیٰ کہ وہ بالکل عام انسانوں کی سطح پر آجاتے ہیں۔ہم 'جاہل' مسلمان اپنے اللہ کی کبریائی پر ایمان رکھتے ہیں لہذا اس کے پاک بندوں کو بلندیوں پر فائز مانتے ہیں یہ 'فاضل' لوگ انگریز' گاندھی' نہرو وغیرہ کو حسب موقع اکبر سمجھتے ہیں اور معاذ اللہ ان کا ایمان ان کی کبریائی پر ہوتا ہے لہذا یہ اپنے گروہ کے بزرگوں کو بلند و برتر مانتے ہیں۔اگر آپ کو میری بات کا یقین نہ آئے تو اللہ کے محبوبوں کی عظمتوں کا انکار کرنے کے لئے انہوں نے جو جتن کئے ہیں' وہ بھی ان کتابوں میں محفوظ ہیں اور اس کے برعکس انگریزوں اور ہندوؤں کے ہاں تقرب حاصل کرنے والوں کے جو فضائل و کمالات ان کے 'ایمان' میں داخل ہیں وہ ان کی تحریروں سے نمایاں ہیں۔اگر آپ ان کے ان دونوں رویوں کی کچھ تفصیل ایک جگہ دیکھنا چاہیں تو حضرت مولانا ارشد القادری علیہ الرحمۃ کی کتاب'

زلزلہ' کا مطالعہ کیجئے۔ انہوں نے سینکڑوں حوالا جات سے ثابت کیا ہے جن جن کمالات کو دیو بندی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں شرک کہتے ہیں، اپنے مولویوں اور پیروں کے لئے وہ سب مانتے ہیں۔ مثلاً انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے علم غیب ان کے ہاں شرک ہے اور یہی علم غیب قاسم نانوتوی، رشید گنگوہی بلکہ ان کے عام نوکروں اور خدمتگاروں کو بھی حاصل ہے۔ مولانا نے 'زلزلہ' کیا لکھا' ایوان نجدیت میں لرزہ آ گیا مگر سالہا سال گزرنے کے باوجود آج تک کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دے سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کا اصل ہدف حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کی ذات ستودہ ہے۔ نجانے انہیں محبوب خدا سرور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے کیا کد ہے۔ انہوں نے عمامے باندھے، بظاہر لباس زہد وتقویٰ بھی اختیار کیا۔ شیخ الحدیث وغیرہ سب کچھ بنے، مگر نجانے کیوں حضور پرنور ﷺ سے ان کا دل کبھی صاف ہوا نہ ہے۔ مدرسہ دیو بند کی بنیاد کو ابھی شاید بیس برس بھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ بانی دار العلوم دیو بند نے تحذیر الناس لکھی اور اس میں اس نے 'خاتم النبین' کا معنیٰ بدلا۔ آج تک حضور پرنور ﷺ کو اس خداداد لقب کی بنا پر آخری نبی سمجھا جا تا رہا ہے۔ اس کا ترجمہ اس کے سوا کبھی نہیں کیا گیا کہ حضور پرنور ﷺ کے ظاہری زمانہ پاک یا بعد میں کوئی نبی آ جائے تو خاتمیت باقی نہیں رہے گی۔ خود حضور ﷺ نے اس کا مفہوم بتایا **لا نبی بعدی** (میرے بعد کوئی نبی نہیں) کتنے تعجب کی بات ہے آخر میں مبعوث ہونے کو حضور ﷺ خود ایک 'فضیلت' قرار دے رہے ہیں مگر انگریز کا پیارا غلام اسے فضیلت نہیں مانتا اور اس ضمیر فروش کے نزدیک وہ اہل فہم نہیں جو آخر میں مبعوث ہونے کو فضیلت کی بات سمجھتا ہے۔

یونہی 'رحمۃ للعلمین' حضورا کرم نور مجسم ﷺ کا وصف خصوصی ہے مگر رشید احمد گنگوہی سے پوچھئے ہر مسلمان کو رحمۃ للعلمین کہہ سکتے ہیں۔ اور پھر علماء دیو بند نے اپنے اس گرو گھنٹال کی روح کو خوش کرنے کے لئے ایک دوسرے کو حسب ضرورت 'رحمۃ للعلمین بھی کہا (مثلاً دیکھئے افاضات الیومیہ)

فلسفہ ختم نبوت اور اصل دین: عزیزم عبدالودود! آیئے ٹھنڈے دل سے ختم نبوت کی روح سمجھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء ومرسلین علیہم السلام ایک ایک شہر' بستی' قوم بلکہ بعض ایک شخص کے لئے بھی مبعوث ہوتے رہے (جیسا کہ احادیث شریفہ میں وضاحت ہے) مگر پروگرام کے مطابق فترت کا کئی سو سالہ دور گزرنے کے بعد حضور پرنور ﷺ کو مکہ مبعوث فرمایا گیا مگر تمام کائنات کے لئے اور تمام ادوار کے لئے۔ زبان ومکان کے آغاز سے پہلے پیدا ہونے والے آقا علیہ التحیۃ والثناء زمان ومکان کی تمام حد بندیوں کو توڑ کر مبعوث کئے گئے۔ چنانچہ مخلوق کا کوئی فرد حضور پرنور ﷺ کے دائرہ بعثت سے باہر نہیں' گویا ختم نبوت کے ذریعے اعلان کر دیا گیا کہ اللہ کی ساری مخلوق کے لئے اب ایک ہی دروازہ رہ گیا ہے اور وہ ہے محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا۔ اب نہ کوئی نبی آ سکتا ہے نہ رسول لہٰذا تمام انتظار ختم کر دو اور اس محبوب یکتا مرتبت علیہ التحیۃ والسلام سے ربط رکھو۔ اسی سے لو لگاؤ، اس سے فریاد کرو، اسی سے حاجات مانگو، اسی کا توسل ڈھونڈو اسی کو شفیع مانو، اسی کے گن گاؤ' خداوند کریم نے اسی کو پیکر رحمت اسے زمینی وآسمانی خزانوں کی چابیاں دے دی گئی ہیں پھر یہ کسی سے دور نہیں اور یہ کسی کو دکھ میں مبتلا نہیں دیکھ سکتے۔ لہٰذا اسی کی طرف رخ کرو

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست

اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است !!

گویا حضور پرنور ﷺ تک پہنچ جایئے، حضور ﷺ ہی اصل دین ہیں۔ ختم نبوت کا بالکل یہی پیغام ہے۔

در ہا ہمہ بستند الا در تو   تا رہ نہ بود غریب الا بر تو   (مولانا روم)

عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ مرزا قادیانی ملعون نے نبوت کا دعویٰ کیا اور علمائے دیو بند نے اس کا مقابلہ کیا' یہ ان کی بڑی مہربانی ہے کہ انہوں نے ختم نبوت کے سلسلے میں مرزا ملعون کی مخالفت کی اور کرتے رہے مگر ان کی یہ مہربانی کیسے ہوئی مہربانی تو ان کی جنہوں نے مرزا قادیانی کو اس شیطانی خدمت کے قابل سمجھا اور انہیں صرف خاتم النبیین کا معنی بدلنے تک محدود رکھا۔ ہاں وہ انہیں اس کا حکم دیتے' یہ انکار کرتے' پھر کچھ بات بھی

تھی۔ رہ گئی یہ بات کہ انہوں نے ختم نبوت کے باغیوں کا مقابلہ کیا، یہ بھی قابل غور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے ابتدا کی، اور مرزا قادیانی کے لئے اچھی خاصی دلیل بہم پہنچائی، اس ملعون نے ان کے شیطانی علم سے فائدہ اٹھا کر نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا۔

مگر اے عزیز مکرم عبدالودود! اک اور طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا ختم نبوت کی روح یہ تھی کہ ساری کائنات مقصود کائنات حضور پرنور ﷺ کے دروازے کی طرف متوجہ ہو۔ مرزا ملعون نے دعوی نبوت در حبیب ﷺ سے دنیا کا رخ پھیرنا چاہا۔ اس کا جواب تو یہ ہوتا کہ عقیدہ ختم عقیدہ نبوت کی اصل روح بیان کر کے بنی نوع بشر کا رخ در حبیب کی طرف پھیرنے کی کوشش کی جاتی مگر نجد و دیوبند کے ایوانوں میں یہ عقائد گھڑے گئے، حضور حاضر و ناظر نہیں (حضور کہہ کر حاضر و ناظر ہونے کا انکار کرنا ایسے ہی بدھوؤں کے شایان شان ہے) معاذ اللہ وہ مالک ومختار نہیں۔ معاذ اللہ ان کے ہاتھ میں کچھ نہیں معاذ اللہ وہ کسی کی سن نہیں سکتے' معاذ اللہ کسی کی حاجت پوری نہیں کر سکتے (یعنی جنہیں اللہ نے رحمۃ للعلمین بنا کر سب جہانوں کے ضرورتمندوں کی حاجتیں پوری کرنے کے لئے بھیجا ہے' وہ ایک کی بھی ضرورت پوری نہیں کر سکتے، کریں تو شرک ہو جائے، گویا جس طرح نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے امت کا رخ حضور پرنور ﷺ کے دروازے سے پھیرنا چاہا وہی کام نجد و دیوبند کے فرزندوں نے کیا۔ گویا دونوں کی منزل مقصود ایک ہی تھی' لہذا یہ مقابلہ نہ ہوا بلکہ ایک منزل کے دو راستے چلے' ایک پر قادیانی چلے' دوسرے پر وہابی، آیئے حکیم الامت حضرت اقبال علیہ الرحمۃ کا فیصلہ سنئے۔

"قادیان اور دیوبند اگر چہ ایک دوسرے کی ضد ہیں لیکن دونوں کا سرچشمہ ایک ہے اور دونوں اس تحریک کی پیداوار ہیں جسے عرف عام میں وہابیت کہا جاتا ہے" (اقبال کے حضور جمعۃ المبارک ۴ مارچ)

شاید کسی کے ذہن میں یہ وسوسہ پیدا ہو کہ نبوت کا دعویٰ تو انگریزوں نے کرایا، ان فضائل و کمالات کا انکار بھی انگریزوں نے کرایا۔ ہاں انگریزوں نے کرایا' کیونکہ ان سے پہلے تو سب امت کا ان سب عقائد پر پہلے دن سے اتفاق رہا ہے۔ سنئے برکۃ المصطفیٰ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کا فرمان

با چندیں اختلاف و کثرت مذاہب کہ در علمائے امت است یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت ﷺ بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز و تو ہم تاویل دائم و باقی است و بر اعمال امت حاضر و ناظر و مر طالبان حقیقت را و متوجہان آنحضرت را مفیض و مربی (بزرگوں کے عقیدے بحوالہ سلوک اقرب السبل)

ترجمہ: امت کے علماء میں اتنے اختلافات اور بہت سے مذاہب کے باوجود کسی شخص کو اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ حقیقی زندگی کے ساتھ قائم اور باقی ہیں۔ حضور ﷺ کی زندگی میں مجاز کی آمیزش اور تاویل کا وہم نہیں ہے اور امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور حقیقت کے طلب کرنے والے اور جو لوگ کہ آنحضرت کی جانب توجہ رکھتے ہیں۔ حضور ﷺ ان سب کو فیض پہنچانے والے اور ان کی تربیت کرنے والے ہیں۔

اور اب سنئے بیہقی وقت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ کا عقیدہ

ترجمہ: رسول اکرم ﷺ اپنے نور نبوت سے ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں کہ دین کے کس درجہ میں ہیں؟ اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اور کونسا حجاب اسکی ترقی میں مانع ہے لہذا حضور ﷺ تمہارے گناہوں کو، تمہارے ایمانی درجات کو، تمہارے نیک و بد اعمال اور تمہارے اخلاص و نفاق کو جانتے پہچانتے ہیں۔ اسی لئے ان کی گواہی بحکم شرع امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے، (تفسیر عزیزی جلد اول)

یہاں تک تھا امت کا اتفاق، آگے اسمٰعیل آ گیا انگریزوں کا وظیفہ خوار پٹھو جو حضور پرنور ﷺ کی شان میں واہی تباہی بکتا تھا۔ سب سے پہلے اسی نے ان سب عقائد کا انکار کیا۔ (جاری ہے)

توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات

قسط: 55

پروفیسر محمد حسین آسی

محبوب سبحانی، قطب ربانی، غوث صمدانی، شہباز لا مکانی، قیوم دورانی اعلیحضرت عظیم البرکت حضور قبلہ عالم الحاج پیر سید جماعت علی شاہ صاحب لا ثانی قدس سرہ النورانی کا وصال مبارک ۱۶ شعبان المکرّم (۱۳۵۸ھ) کو ہوا۔ موجودہ تقویم کے مطابق یہ تاریخ (۱۶ شعبان) ۲۰ ستمبر (۲۰۰۵ء) کو آرہی ہے۔ لہذا یہ مناسب معلوم ہوتا ہے موجودہ قسط شہنشاہ لا ثانی قدس سرہ کے لا ثانی کمالات کے تذکرے کیلئے وقف کردی جائے۔

حضور شہنشاہ لا ثانی قدس سرہ کے آباؤ اجداد شیراز میں مقیم تھے۔ مغل تاجدار نصیر الدین ہمایوں شیر شاہ سوری سے شکست کھا کر برصغیر سے بھاگا تو ایران میں پہنچا، وہاں طہماسپ شاہ ایران نے مدد دینے سے انکار کیا تو زمین شیراز حضرت سید بہاؤ الدین شاہ صاحب شیرازی قدس سرہ کی خانقاہ میں پناہ گزین ہوا۔ بزرگوں نے دوبارہ اسے طہماسپ کے ہاں بھیجا تو وہ امداد کرنے پر راضی ہوگیا۔ چنانچہ اس نے بادشاہ کے ہاں سے مقابلے کے لئے لشکر جرار اور برکت کے لئے خانقاہ سے حضرت صاحبزادہ سید محمد سعید نوروز شاہ صاحب اور ان کے حقیقی چچا حضرت سید حسن شیرازی قدس سرہما کو ساتھ لیا۔ یہی دونوں حضرات علی پور سیداں شریف کے اولین بانی ہیں۔

حضور شاہ لا ثانی قدس سرہ کی ولادت باسعادت ۱۸۶۰ء میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد کا نام نامی حضرت پیر سید سَید علی شاہ صاحب علیہ الرحمہ تھا۔ بچپن ہی میں آپ اپنے رب کے ذکر سے سرشار رہتے تھے۔ اس زمانے میں بعض دفعہ آپ گم ہو جاتے تو کسی مردِ کامل کے مزار سے ملتے۔ اسی دور میں علاقے کے سالک اور مجذوب آپ کے روشن مستقبل کے معترف تھے۔ پیر کامل کی تلاش ہوئی کہ بہت سے مردان خدا کی زیارت کی۔ بالآخر آفتاب ولایت شہنشاہ طریقت شیخ المشائخ اعلیحضرت عظیم البرکت خواجہ خواجگان حضرت خواجہ فقیر محمد چوراہی المعروف حضور باوا جی صاحب قدس سرہ کے دامن رحمت ونسبت سے وابستہ ہوئے۔ کہتے ہیں وہ بھی چندروز سے منتظر تھے، چنانچہ جب حضور خدمت میں پہنچے تو فرمایا 'آمد آں یارے کہ ما می خواستیم' پیر و مرید کا یہ رابطہ بڑھتا ہی رہا۔ بہت تھوڑے عرصے میں حضور شاہ لا ثانی نے طویل فاصلے اور اعلیٰ منازل طے کر لئے تو خلافت کی ذمہ داریاں بھی آپ پر ڈال دی گئیں اور پھر 'لا ثانی' کا خطاب بھی عطا فرمادیا گیا۔ ہاں ہاں وہ مرید کیسا لا ثانی ہے، خود جس کا شیخ لا ثانی اسے کہہ رہا ہے اور اس کی برکت سے پھر ہر چھوٹا بڑا اسے لا ثانی کہنے لگا ایسی ہی صورت حال ہوتی ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے۔

زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

برصغیر کی تاریخ کو سامنے رکھئے تو یہ گویا تاریک ترین دور تھا۔ تثلیث کے فرزند یہاں تخت و تاج کے مالک تھے اور چونکہ انھوں نے اقتدار مسلمانوں سے چھینا تھا لہذا ان کی تذلیل و تحقیر کے خصوصی طور پر درپے تھے۔ انھوں نے عموماً اہل اسلام پر ملازمت اور روزگار کے دروازے ہی بند نہیں کئے تھے، بلکہ اپنے مخصوص نصاب تعلیم کے ذریعے انھیں اپنے دین، اپنی تہذیب اور اپنی معاشرت کی بابت بھی احساس کہتری میں مبتلا کر کے انھیں الحاد و بیدینی میں غرق کر دیا جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں دشمن بہت شاطر تھا اور اس نے ناپاک منصوبوں کا جال بچھا دیا تھا۔ مگر اس کی آرزو بہت حد تک پوری نہیں ہو سکی۔ ہاں کچھ بدقسمت ضرور اس کے جال میں آ گئے مگر اکثریت ہی اس سے محفوظ نہیں رہی بلکہ بہت سے غیر مسلم بھی حلقہ اسلام میں آ گئے۔ نوواردوں کی تعداد کیا تھی، اس کا حتمی جواب تو بہت مشکل ہے، تاہم یہ بات اکثر محققین نے کہی ہے کہ انگریزوں کی آمد سے پہلے اب تک کئی صدیوں میں جو لوگ مسلمان ہوئے تھے، انگریزوں کے ناپاک دور میں ان کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ کفار حلقہ اسلام میں آئے۔ خوب فرمایا کسی باشعور نے

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے!

بظاہر اس کی وجہ کیا تھی؟ یہی صوفیہ کرام، چورہ شریف، علی پور شریف، تونسہ شریف، سیال شریف، گولڑہ شریف، شرقپور شریف، باؤلی شریف وغیرہ مردان خدا کے آستانے، یہ محض اس پنجاب کا حال ہے جو پاکستان میں شامل ہے ورنہ سارے پاکستان کے آستانے کون گن سکتا ہے اور پھر برعظیم پاک و ہند میں ان تمام جلوہ بار آستانوں کی تعداد اور بھی کئی گنا ہے۔ سائنس اور فلسفے کا جواب تھا ہی انھیں کے پاس۔ یوں نہیں کہ انھوں نے کوئی لیبارٹی کھولی ہوئی تھی اور اس میں نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے تھے، نہیں بلکہ سائنس اور فلسفے سے شکوک و شبہات سے فکری فضا کو تیرہ و تاریک کر دیتے ہیں تو ان کی صحبت کا نور، ان ظلمات کو دور کر کے رکھ دیتا تھا۔ ان کا کردار حرص و ہوس سے بلند تر، ان کی گفتار ریا نفاق سے پاک، ان کے اخلاقی کمالات انسانیت کی تفسیر اور روحانی کمالات علت و معلول سے آزادی کا پیغام ہوتے تھے۔ لہذا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نوجوان جوق در جوق ان کی خدمت میں آئے، پھر مقصد حیات پا گئے۔ ایک فلسفی اور سائنسدان کی زندگی سے کہیں زیادہ کشش اس اللہ والے کی طرز بود و باش میں ہے جو دنیا پر حکومت کرتا ہے، پھر عجز و انکسار کا پیکر ہوتا ہے۔ کوئی سکون نا آشنا اس کو دیکھ لیتا ہے تو اضطراب سے پاک ہو جاتا ہے، وہ کسی بیمار پر تھوک دیتا ہے تو دیکھتے ہی دیکھتے اسے صحت سے ہمکنار کر دیتا ہے۔ (یہ سب میرے اپنے تجربات ہیں لہذا میری نظر میں ناقابل تردید ہیں)

اسلام دشمن انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کا جواب انھیں مردان حر نے دیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے انگریزی دور ۱۸۵۷ء سے شروع ہوا اور ۱۹۴۷ء تک رہا۔ میرے آقا و مولا حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ النورانی کی ولادت ۱۸۶۰ء میں ہوئی اور وصال شریف ۱۹۳۹ء میں گویا انگریزی دور کی ابتدا سے چار سال بعد ولادت اور اس کے اختتام سے آٹھ (۸) سال پہلے وصال۔ یوں لگتا ہے قدرت انگریزی اقتدار کی نحوستوں کا ازالہ جن مردان پاکباز کے ذریعے کرانا چاہتی تھی، ان میں حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ کی ذات ستودہ صفات نہایت ہی نمایاں ہے۔ وہ لوگ جو آپ کے از حد وسیع حلقہ ارادت میں شامل تھے، آپ نے انھیں کے ایمان کی حفاظت نہیں فرمائی بلکہ دوسرے لوگ جنھوں نے آپ کو بنظر اخلاص و محبت دیکھ لیا، کامیاب ہو گئے۔ آپ کا لنگر کھلا رہتا تھا، صبح سے رات گئے تک نزدیک و دور سے آنے والے آتے، جسمانی قوت کے ساتھ روحانی سرور بھی حاصل کرتے اور مشکلات و مسائل سے چھٹکارا بھی حاصل کرتے۔ اس لنگر کی موجودگی میں کسی پرہیز کی ضرورت ہی نہیں تھی، یہ حدیث پاک کے

مصداق خود سراپا دوا تھا۔ چنانچہ چار جانب سے لوگ آستانے پہ حاضر ہوتے اور آتے ہی زندگی کی الجھنوں سے نجات پا جاتے

اے لقائے تو جواب ہر سوال   مشکل از تو حل می شود بے قیل وقال

ظاہر ہے بے شمار مسلمانوں کا ایمان حضور شہنشاہ لا ثانی قدس سرہ کی برکت سے محفوظ ہوا۔ وہ نوجوان جو کالجوں اور یونیورسٹی سے زہریلی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ حضور کی برکت اس کی زہرناکی سے محفوظ رہے۔ سچ فرمایا تھا حضرت اکبرالہ آبادی مرحوم نے

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا   دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

بلکہ اکثر و بیشتر یہی کتابیں اور یہی کالج تو گمراہی کا سبب بنتے ہیں، ہاں جن لوگوں کا تعلق اللہ والوں سے ہو گیا ان کا دین و ایمان بھی محفوظ ہو گیا اور تہذیب و تمدن بھی۔

حضور شہنشاہ لا ثانی قدس سرہ النورانی کی شخصیت مقدسہ ہی ایسی موثر تھی کہ اپنے پرائے کسی پر بھی اثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ چنانچہ مسلمان تو مسلمان، کسی ہندو سکھ، عیسائی وغیرہ نے بھی دیکھ لیا تو مسحور یا مخمور ہو گیا۔

مسلمانوں نے اس منبع فیض سے اپنی پیاس کیونکر بجھائی، اسے کون سمجھ سکتا ہے۔ ہاں ہاں ہم نے اپنے آغاز شباب میں ان مقدس علاقوں میں جہاں اکثر تشریف لاتے رہتے تھے، حضور شہنشاہ لا ثانی قدس سرہ کی جلوہ فرمائی کی برکات گویا آپ کے وصال کے بعد چوبیس پچیس سال تک دیکھی ہیں، گویا

کہہ دیتی ہے شوخی نقش پا کی   ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے

وہ لوگ جنھوں نے کچھ وقت اس آفتاب جہاں تاب کے قدموں میں گزارا، ان کی سیرت و کردار پر ہی نہیں، صورت و گفتار پر بھی جلوہ یار نمایاں نظر آتا تھا۔ فرزندان اسلام آخران سے فیض کیوں نہ پاتے، یہ بانی اسلام حضور رحمتہ للعلمین ﷺ کے نور نظر تھے۔ سیدہ طیبہ طاہرہ حضور بتول زہرا سلام اللہ علی ابیہا و علیہا زہد و تقویٰ اور اخوالرسول، زوج البتول، تاجدار ھل اتی ابوالحسن علی مشکلکشا و حاجت روا کرم اللہ وجہہ الکریم کے فقر خیبر شکن کے وارث تھے۔ یہاں تو صورت حال تھی کہ بیگانوں میں کوئی کچھ مانگنے آیا ہے تو اسے بھی خالی نہیں لوٹا رہے اور جو خیرات اس کے تصور میں ہے اس سے بڑھ کر دی جا رہی ہے۔ ہندو، سکھ، عیسائی غرض جو بھی آتا ہے۔ توحید کے انوار سے اس کا باطن چمکا دیا جاتا ہے، یہی نہیں وہ نماز روزہ اور دیگر عبادات و ریاضات اسلامیہ کا پابند بھی ہو جاتا ہے۔ کبھی اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی کر دیتا ہے، کبھی ایسا نہیں کرتا، مگر اتنا ضرور ہے ایمان پر مطمئن ہو چکا ہے اور کفر سے بیزار۔ آپ ان غیر مسلموں پر 'انوار لا ثانی' کی بارش دیکھ لیں، پھر اندازہ ہو جائے گا کہ اپنوں کو کیا کچھ ملا۔ آیئے یہاں کتاب مستطاب (انوار لا ثانی) (جس کا بظاہر آسی مصنف ہے مگر یہ باطن شہنشاہ ولایت حضور نقش لا ثانی) کا ایک اقتباس دیکھیں۔ (ص ۵۱ نصف آخر سے ص ۵۲ مکمل) پھر ایک اور اقتباس ص ۶۲)

بعض ہندو اور سکھ بھی خدا کا نام سیکھنے آتے تو حضور کے 'انداز مسیحائی' سے فیض حاصل کرتے۔ بہت سے ایسے لوگ قلب و ضمیر کے اعتبار سے مسلمان ہو جاتے اگرچہ وہ سب اپنے مسلمان ہونے کا اعلان نہ کرتے مگر ذکر و فکر، نماز اور دیگر شعائر کی پابندی تک کرتے تھے۔ موضع مانک (نزد نارووال) کے ایک سکھ زمیندار بھگوان سنگھ نے اپنے گاؤں میں مسجد کی تعمیر بھی کروائی تھی جو آج تک موجود ہے۔ گویا ہندوؤں اور سکھوں کی عظیم تعداد کا حضور قبلۂ عالم سے نیازمندی ظاہر کرنا مختلف علاقوں میں اسلام کے بول بولا کے لئے بڑا مفید ثابت ہوا اور اہل اسلام ان کے جور و ظلم سے

محفوظ ہونے کے علاوہ اپنے مذہب پر زیادہ پختہ ہوگئے۔

خالصہ کالج امرتسر کا پرنسپل نرائن سنگھ بھی اپنے آپ کو حضور کا حلقہ بگوش ظاہر کرتا تھا، نماز اور درود شریف کا پابند تھا۔ دربار شریف آتا تو سٹیشن سے ننگے پاؤں حاضر ہوتا اور یہاں کے ٹکڑوں کو نعمت غیر مترقبہ سمجھتا۔

بہاؤوالی کا ہندو ناتھ نامی بھی حضور کے فیض اثر سے نماز ادا کرتا تھا۔ ہفتے میں ایک دن ضرور دربار شریف حاضر ہوتا۔ اس کسب فیض کی بنا پر وہ اپنی قوم میں خاص اثر ورسوخ کا حامل ہوگیا تھا۔ موضع چن مان سنگھ میں بھی ایک سکھ نرائن سنگھ نامی۔ حضور قبلہ عالم کی نگاہ کا نخچیر تھا۔ سیدی ومرشدی حضرت سجادہ نشین مدظلہ فرماتے ہیں کہ حضور قبلہ عالم قدس سرہ کے وصال شریف کے بعد اس گاؤں میں سے گزرنے کا اتفاق ہوا تو اس نے بہت اصرار کے ساتھ کہا کہ میں نہیں جانے دوں گا۔ اور میں بڑے حضرت کو بھی اس طرح نہیں جانے دیتا تھا۔ حضور بھی مجھ پر کرم فرماتے تھے آپ کو بھی فرمانا ہوگا۔ چنانچہ اس نے خشک غلہ مسلمانوں کے گھر میں بھیج دیا اور اس طرح ہماری دعوت کی۔ اس شخص نے پھر اپنا معمول یہ بتایا کہ صبح ہوتے ہی حضور قبلہ عالم کا نقشہ آنکھوں کے سامنے لانے کی کوشش کرتا ہوں، اگر یہ مبارک نقشہ سامنے آجائے یوں لگتا ہے کہ پہاڑ بھی راستہ نہ روک سکے گا اور اگر خدانخواستہ ایسا نقشہ آنکھوں کے سامنے نہ آئے تو گھر سے پاوں باہر نہیں نکالتا۔ اسی گاؤں میں ایک دفعہ مسلمانوں نے جن کے صرف دو گھر تھے اپنی چھوٹی سی مسجد میں اذان کہی تو ہندو اور سکھ حملے کی تیاریاں کرنے لگے۔ یہی نرائن سنگھ موقع پر پہنچا اور کہنے لگا۔ اذان روکنے والے پہلے مجھ پر حملہ کریں پھر............ چنانچہ اس کی وجہ سے مسلمان آزادی سے اپنے دینی شعائر پر عمل پیرا رہے۔

اسی طرح اِندر سنگھ (ڈپٹی) اور اس کا بڑا بھائی بھگوان سنگھ ذیلدار دونوں خود کو حضور کا محتاج سمجھتے تھے۔ دونوں عام اسلامی تعلیمات کے پابند تھے اور دربار شریف میں ننگے پاؤں حاضری دیتے تھے۔ حضور حج پر چلے تو وہ گھر کے سارے زیورات لے آیا مگر آپ نے قبول نہ فرمائے، حضور کے اس فیض عام اور حسن سلوک سے اسلام کو بہت تقویت ملی۔

ایک ہندو مجذوب کا واقعہ: منشی غلام دین مدرس سکنہ تھوبہ ۲۸ دسمبر ۱۹۳۳ء کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ تقریباً ۲۰ سالہ ایک ہندو مجذوب حضور کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کرنے لگا، سرکار میں اپنے یار کو دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں بڑی بڑی گدیوں پر گیا ہوں۔ سب نے یہی کہا ہے علی پور شریف محلّہ مغربی میں ایک بزرگ ہیں جن کا لقب ثانی ہے وہ تمہیں یار سے ملا دیں گے'' آپ نے مسکرا کر اس عاجز کو فرمایا 'منشی جی کریم بخش سے کاٹھے کماد کی پاک شکر لاؤ تاکہ اس درویش کو کھلائیں چنانچہ عاجز آدھ پاؤ پختہ شکر لے آیا۔ حضور نے مٹھی بھر اس درویش کو دی باقی دوسرے حاضرین میں تقسیم فرما دی۔ نیز مجھے تاکیداً فرمایا کہ شام کو اس درویش کو گاؤں میں لے آنا۔ اس وقت وہ برابر ذکر و فکر میں مشغول رہا اور ایک دم بھی غافل نہ ہوتا تھا۔ ایک گھنٹہ کے بعد علی پور شریف کا ایک مہاجن گنڈا رام اتفاقاً حضور کی زیارت کو آ گیا اور سلام عرض کرنے کے بعد پیچھے ہٹ کر بیٹھنے لگا تو اس مجذوب نے گنڈا رام کو جذبے سے کہا کہ تیرے گھر سے اتنے مرد عورتیں فوت ہوگئی ہیں پھر بھی تجھے خدا کے راستے میں موت کا ڈر نہیں۔ بندہ بن اور خدا کو یاد کیا کر۔ وہ اسی وقت درویش کا معتقد ہوگیا مگر اس نے حضرت کی طرف اشارہ کر دیا۔ (اعتقاد کا سبب یہ تھا کہ اس نے مرنے والوں کی تعداد صحیح بتائی تھی چنانچہ وہ مہاجن روٹی اور دودھ بھی اس مجذوب کے لئے لایا مگر اس نے پرواتک نہ کی بلکہ کہا تو یہ کہا کہ میں تو بابا جی ہی کا کھاؤں گا شام کے وقت اسے حضور کی خدمت میں حاضر کیا گیا تو آپ نے اسے ایک سوکھی روٹی اور تازہ دودھ دیا۔ وہ پی چکا تو کہنے لگا 'بابا جی یار ملاؤ' یہ کہہ لیتا

اور پھر ذکر وفکر میں مشغول ہو جاتا۔ ایک بار اس نے پھر جذبے سے وہی کہا (یعنی باباجی یار ملاؤ) تو سائیں مہر علی شاہ صاحب جوش میں آ کر کہنے لگے' میں اس کو یار ملاتا ہوں' حضور قبلہ عالم نے سائیں صاحب کی آواز سنی تو یہ فرما کر انہیں منع کر دیا کہ میں تم سے بہتر جانتا ہوں۔ درویش نے ساری رات ذکر میں بسر کی تو نفلوں کے وقت حضور نے اس عاجز کو آواز دی کہ اس مجذوب کو وضو کروا کے اندر بھیج دو۔ چنانچہ اسے اندر بھیج دیا گیا۔ حضور نے بیعت کر کے تلقین فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا کہ کسی جنگل میں جا کر فلاں اسم پڑھا کرو۔ تین مہینے میں یار مل جائے گا۔ حضور کا اتنا فرمانا تھا کہ معلوم نہیں کیا ہوا وہ مجذوب کس وقت نکل بھاگا۔ میں نے یہی کہتے سنا کہ 'مل گیا' 'مل گیا'۔ آپ نے اس کی آواز کی پردہ پوشی کر دی۔

مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند کرامات پیش کی جاتی ہیں مگر ان سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ایک ارشاد سن لیجئے۔

از مولوی خرم علی مترجم (القول الجلی) اور نقشبندیوں کے عجائب تصرفات ہیں ہمت باندھنا کسی مراد پر پس ہوتی ہے وہ مراد ہمت کے موافق کے اور طالب میں تاثیر کرنا اور بیماری کو مریض سے دفع کرنا اور عاصی پر توبہ کا افاضہ کرنا اور لوگوں کے دلوں میں تصرف کرنا کہ وہ محبوب اور معظم ہو جائیں یا ان کے خیالات میں تصرف کرنا تو ان میں واقعات عظیمہ متمثل ہوں اور آگاہ ہونا اہل اللہ کی نسبت پر زندہ ہوں یا اہل قبور اور لوگوں کے خطرات قلبی پر جوان کے سینوں میں خلجان کر رہا ہے اس پر مطلع ہونا اور رواقع آئندہ کا مکشوف ہونا اور بلائے نازلہ کو دفع کرنا اور سوائے ان کے اور بھی تصرفات ہیں۔ (القول الجلی)

اب انھیں کی روشنی میں چند کرامات ملاحظہ ہوں۔

☆...... مقرب بارگاہ سائیں مہر شاہ صاحب علیہ الرحمتہ سے روایت ہے کہ موضع پہاڑو چک ضلع گورداسپور کے لوگ اس قدر مفلوک الحال ہو گئے تھے کہ ان کی تمام زمین ایک جابر ساہوکار کے قبضے میں چلی گئی تھی اور وہ لوگ چٹائیاں وغیرہ بنا کر گذر بسر کرتے تھے۔ آپ اس علاقے میں تشریف لے گئے تو ایک کنوئیں پر ڈیرہ لگالیا۔ وہی ساہوکار ادھر سے گذرا تو اس نے محفل پاک کو بڑی حقارت سے دیکھا، خیر آپ نے ان لوگوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ چند دنوں بعد ہی مقدمہ شروع ہو گیا اور وہ تمام زمین اس ساہوکار کے ہاتھ سے نکل کر دوبارہ زمینداروں کے قبضے میں آ گئی۔

☆...... اسی طرح کا ایک واقعہ مجھے میاں جمال دین صاحب مرحوم (ساکن موضع آڈھا) سنایا کرتے تھے کہ میں اس حدیث پاک کے بارے میں حیران تھا جس میں مذکور ہے کہ شہید کو شہادت کے وقت ذبح ہونے میں ایک کیف و سرور ملتا ہے، چنانچہ حضور قبلہ عالم شاہ لاثانی رحمتہ اللہ علیہ میرے خواب میں تشریف لائے، اور میں نے دیکھا کہ کسی نے مجھ پر (خواب ہی میں) تلوار چلائی ہے۔ میں شہید ہوتا جا رہا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ ایک ایسے کیف و سرور میں ڈوب رہا ہوں جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ گویا حضور نے ایک خاص انداز سے وہ کیفیت خواب کے عالم میں طاری کر کے میرا سوال حل کر دیا۔

نگاہ یار جسے آشنائے راز کرے — وہ کیوں نہ خوبی قسمت پہ اپنی ناز کرے

☆...... حافظ وہاب الدین ساکن موضع منڈی کے بیان کے مطابق بچپن ہی سے ان کی آنکھ پر ایک ایسی رسولی تھی جو ساٹھ سال کے طویل عرصے میں کئی علاج کروانے کے باوجود ٹھیک نہ ہوئی تھی۔ آخر حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کی۔ آپ نے رات کو دم کیا اور صبح رسولی غائب تھی لوگ حیران تھے کہ حافظ صاحب کی رسولی کہاں گئی۔

☆...... ہمارے اپنے گھر کا واقعہ سنیے۔ 1930ء کے لگ بھگ کی بات ہے، میری والدہ ماجدہ کے پہلو میں سخت درد کے دورے پڑتے تھے۔

بہت علاج کروائے مگر آرام نہ آیا، آخر ایک ماہر طبیب سے مشورہ کیا تو اس نے ستر روپے کا نسخہ تجویز کیا، والد صاحب کی تنخواہ ان دنوں صرف چھتیس روپے تھی، خدا کی قدرت، حضور قبلہ عالم شاہ لاثانی علیہ الرحمتہ ہمارے غریب خانے میں (جو موضع بکنور تحصیل پٹھانکوٹ میں تھا) تشریف لے آئے۔ والدہ درد سے سخت بے چین تھیں۔حضور قبلہ عالم نے یہی ایک دو لفظ فرمائے کہ ''دیکھو جی' درد کو یہی گھر نظر آیا ہے۔لڑکے کی تنخواہ چھتیس روپے اور نسخہ ستر روپے کا''بس یہ فرمانا تھا کہ درد ختم ہو گیا اور خدا اور رسول (جل وعلاو ﷺ) کے لطف وکرم اور قبلہ عالم کی برکت سے وہ درد آج تک نہیں ہوا۔ظاہر ہے کہ حضور کے فرمائے ہوئے یہ لفظ اوراد ووظائف سے تعلق نہیں رکھتے مگر حضور غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا فرمان یاد کریں کہ رب تعالیٰ اپنے بندہ مطیع کو یہ شان عطا فرماتا ہے کہ وہ کن (ہو جا) کہہ دے تو کام بن جاتا ہے۔

☆...... میاں رحمت علی صاحب غازی پور والے بیان کرتے ہیں مجھے ایک شخص نے اپنی آپ بیتی سناتے ہوئے بتایا کہ میں پہلے ڈاکہ زنی کیا کرتا تھا۔ایک دفعہ علی پور سیداں شریف کے قریب سے گزر رہا تھا کہ ایک سفید ریش بزرگ جو ایک کھیت کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے مجھے دور سے آوازیں دینے لگے۔میں قریب گیا تو فرمانے لگے۔میاں یہ برے کام چھوڑ دے، میں نے عرض کیا حضرت یہ تو میرا پیشہ ہے، میں اس کے بغیر روزی کیسے کماؤں' آپ نے فرمایا' کاشتکاری کیا کر، میں نے عرض کیا، مجھے آتی نہیں، اس وقت ساتھ ہی کھیت میں ہل چل رہے تھے۔آپ نے مجھے ایک ہل کی ہتھی پکڑ کر اس کے پیچھے چلنے کو کہا، میں نے تعمیل کی''فرمایا تم تو بہت اچھا ہل چلاتے ہو''میں نے عرض کیا' میرے پاس کوئی جانور نہیں ہے، آپ نے اپنی طرف سے ایک یا دو بھینسے دیے اور مجھے گھر بھیج دیا، یہی میری توبہ کا دن تھا۔

☆...... طوطی ہندوپاکستان بابا صوفی محمد علی صاحب ٹریٔی کے ایک راجپوت گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ان پڑھ تھے اس لیے محنت مزدوری سے بسر اوقات کرتے تھے حضور قبلہ عالم سے بیعت تھے۔ایک دفعہ دربار شریف میں حاضر ہوئے تو باہر کھلیان کی گہائی کے لیے چلے گئے۔وہاں یونہی کچھ گا رہے تھے کہ ان کی بے خبری میں حضور تشریف لائے۔صوفی صاحب نے آپ کو دیکھا تو خاموش ہو گئے۔مگر ادھر دریائے رحمت جوش میں آیا ہوا تھا فرمایا' کوئی نعت خواں معلوم ہوتا ہے' بس یہ دو تین لفظ تھے جو ان کی قسمت بنا گئے۔پھر کیا تھا برصغیر کے گوشے گوشے تک ان کی نعت خوانی کا چرچا ہوا اور طوطی ہند لقب ٹھہرا۔بقول اقبال

فیصلہ دل کا اگر مدنظر ہے تجھ کو! مرد مومن کی نگاہ غلط انداز ہے بس

ایک بار جالندھر میں ایک بہت بڑی تقریب میں مدعو تھے وہاں پورے ملک سے بڑے بڑے نعت خواں آئے ہوئے تھے مگر ان کے سامنے کسی کا رنگ نہ جم سکا' ایک دوراتوں کے لیے گئے تھے۔جالندھر والوں نے مہینہ بھر وہیں رکھا۔

میں نے انہیں بڑھاپے کے عالم میں دیکھا ہے مگر بایں ہمہ پیری' آواز جوان تھی۔بدن نہایت نحیف ولاغر تھا' آواز بغایت سریلی اور جوشیلی تھی' ان پڑھ ہو کر' فارسی میں حافظ وخسرو اور سعدی وجامی (علیہم الرحمتہ) جیسے اساتذہ کا کلام بصحت تلفظ ادا کرنا کرامت در کرامت تھی۔مجھے ایک دفعہ فارسی کی دو تین غزلیں لکھوائی تھیں جن میں سے ایک کا مطلع یہ ہے۔

اے قصہ بہشت زکویت حکایتے حسن وجمال حور زرویت روایتے

میں شکر گڑھ ہائی سکول میں میٹرک کا طالب علم تھا' اس زمانے میں ایک دن صبح سویرے سکول گراؤنڈ میں 'بزم ادب' کا اجلاس جاری تھا کہ یہی بابا صاحب' سکول کے قریب سے گزر رہے تھے' ہیڈ ماسٹر صاحب بڑے باذوق تھے' انہوں نے دو تین اساتذہ کو بھیج کر ان کو بلالیا' یہ تشریف

لائے تو نعت پڑھنے کی استدعا کی گئی۔ باباجی نے اس اجلاس میں جہاں زیادہ سے زیادہ دس منٹ نعت کو دیے جاسکتے ہیں' پورا گھنٹہ نعت خوانی کی اور یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ آج میں کچھ بیمار ہوں' زیادہ نہیں پڑھ سکتا۔ حاضرین میں ایک زبردست قسم کے عالم دیوبند بھی موجود تھے انہیں مردِ خدا کے تصرف کا اقرار کرتے ہی بن پڑی۔

یہ ہے محل ادراک میں تصرف کی روشن مثال

☆...... آفتاب ہند حافظ ظفر علی صاحب (پسروری) رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں فکر و نظر اور قال و حال کے اعتبار سے جو انقلاب آیا وہ الگ داستان ہے اور ان کے حالات میں اس کا بیان آجائے گا' یہاں صرف ان کے فن خطابت کے متعلق عرض کیا جاتا ہے جو ان کے باقی اوصاف کی طرح حضور کی خصوصی نگاہ کرم کا فیضان تھا۔ حافظ صاحب اپنے فن میں ایسے یکتائے روزگار تھے کہ برصغیر کے طول وعرض میں آپ کے تبلیغی خطبات کی دھوم مچ گئی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ایک بار خطاب فرمایا تو 'آفتاب ہند' کے لقب سے ملقب ہوئے۔

☆...... میاں حسین بخش صاحب اور بعض دوسرے ثقہ حضرات کے بیان کے مطابق حضور قبلہ عالم ایک بار قصور میں حضرت پیر سید بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر گئے تو فاتحہ و مراقبہ وغیرہ کے بعد واپس آگئے۔ ابھی احاطے کی ڈیوڑھی میں پہنچے کہ پھر مزار شریف کے اندر چلے گئے اور کچھ قرآن پاک (غالباً ایک پارے کا ربع) پڑھ کر اٹھے۔ باہر آئے تو فرمایا 'بلھے شاہ ہوراں زور نال قرآن پاک سنیا' گویا شاہ صاحب نے باصرار آپ کو ڈیوڑھی سے واپس بلایا تھا

☆...... مرزا عظیم بیگ تھانیدار ایک دفعہ حضور کی زیارت کے لئے آرہے تھے کہ راہ میں خیال آیا کہ حضور آج مرغ کا گوشت کھلائیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ وہ دربار شریف پہنچے تو آپ انہیں مل کر گاؤں میں تشریف لے گئے اور کچھ دیر کے بعد واپس تشریف لے آئے تو تھانیدار صاحب سے فرمایا کہ 'مرغ تو نہیں مل سکا۔ یہ انڈے حاضر ہیں۔'

☆...... سید شمشاد حسین مرحوم راداسی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ آپ مکان شریف میں جلوہ افروز تھے، میں نے حاضر ہو کر عرض کیا 'حضور ہمارے ہاں راداس میں بھی تشریف لے چلیں' آپ نے فرمایا 'اچھا دیکھا جائے گا' مگر وعدہ لے کر مجھے خیال آیا اگر آپ تشریف لے جائیں گے تو آپ کا استقبال کون کرے گا اور گھوڑیوں کو چارہ کون ڈالے گا کیونکہ میں اکیلا تھا چنانچہ اسی پریشانی میں تھا کہ اگلی صبح آپ نے لنگاہ جانے کی تیاری فرمالی۔ میں نے عرض کیا حضور نے تو میرے ساتھ راداس جانے کا وعدہ فرمایا تھا، آپ نے میرے خطرہ قلبی کو صاف لفظوں میں ظاہر فرمادیا ''شاہ جی ہمارا استقبال کون کرے گا اور گھوڑیوں کو چارہ کون ڈالے گا، کیونکہ آپ تو اکیلے ہیں۔

☆...... اگر کسی کے ہاں بچہ پیدا ہوتا اور وہ حضور قبلہ علیہ الرحمہ سے اس کا نام پوچھتا آپ کبھی ایک اور کبھی ایک سے زیادہ بھی نام بتادیتے۔ جتنے نام آپ بتاتے اتنے ہی بچے پیدا ہوتے تھے۔ مثلاً علامہ الحاج صوفی غلام حسین صاحب راداسی (خطیب اعظم گوجرہ) پیدا ہوئے تو ان کے والد ماجد قبلہ الحاج صوفی محمد الدین صاحب نے حضور قبلہ عالم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر نام پوچھا تو آپ نے فرمایا 'غلام حسین، غلام مصطفیٰ، غلام مرتضےٰ' دوسرے حاضرین تو اس اشارے کو نہ سمجھ سکے البتہ خود قبلہ صوفی صاحب سمجھ گئے کہ حضور نے بعد میں ہونے والوں کے نام بھی بتادیے ہیں۔ ان کے تیسرے صاحبزادے وفات پاگئے تھے۔ بڑے دو الحمدللہ مجالس وعظ و نعت کی رونق ہیں۔

میرے (مؤلف کے) والد ماجد بھی' میری پیدائش پر (میرا) نام پوچھنے کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، حضور نے دو نام ارشاد فرمائے تھے محمد حسین، محمد حسن، چنانچہ میری ولادت سے تین چار سال بعد محمد حسن پیدا ہوا جو شیر خوارگی ہی میں فوت ہو گیا۔

☆...... مولانا عبدالرشید صاحب ضلع گورداسپور میں حضور کے ہمراہ تھے۔ان کا بیان ہے کہ آپ نے ایک گاؤں میں قیام کیا اور فرمایا' یہاں سانپ بہت ہیں بچ کر رہنا' رات کو ایک ٹیلے پر ڈیرا تھا چنانچہ آپ نے ایک گول لکیر کھینچ کر فرمایا، اس کے اندر سو جاؤ، جب صبح اٹھے تو دیکھا لکیر کے باہر سانپوں کے رینگنے کے بہت سے نشانات تھے اور ہم آپ کی برکت سے محفوظ رہے۔

☆...... چوہدری چراغ الدین ساکن آڈھا کا بیان ہے کہ ہمارے گاؤں میں ایک بڑ کا درخت تھا جو کبھی کبھی اس طرح ہلتا تھا جس طرح ہلانے سے ٹہنی ہلا کرتی ہے۔شام کے بعد اس کے نیچے سے گزرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔کبھی یہاں بکرا، دنبہ حتیٰ کہ بھینس تک غائب ہو جاتی۔دن کے وقت یہاں کوئی مویشی چرانے لگتا تو کسی درخت سے بندھا نظر آتا۔حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ ہمارے گاؤں میں پہلی تشریف آوری کے دوران ادھر سے گزرے تو 'بڑ' اسی طرح ہلا۔آپ نے میاں جمال دین سے وجہ پوچھی تو انہوں نے تمام مذکورہ واقعات سنا دیئے۔چند لمحے بعد، حضور نے اوپر نگاہ اٹھائی اور فرمایا' میاں یہ درخت کیوں ہلایا ہے' اوپر سے آواز آئی' جناب! جانور وغیرہ بیٹ کر دیتے ہیں، انہیں اڑانے کے لئے' فرمایا' تم جو اتنے جانوروں کو تکلیف دیتے ہو' خود ہی کہیں کیوں نہیں چلے جاتے، اچھا' کہاں کا حکم ہے' فرمایا' دو تو کوہ قاف کو نکل جاؤ۔اور ایک یہیں مگر اب یہاں کسی کا نقصان نہ ہو' عرض کیا' بہت بہتر'۔چنانچہ پھر کوئی حادثہ نہ ہوا۔الحمدللہ ثم الحمدللہ۔(معلوم ہوا کہ یہاں تین جن تھے)

☆...... حکیم عبدالعزیز صاحب سوجانپوری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضور شاہ لاثانی موضع 'پوہا' میں تشریف فرما تھے۔میں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا' حضور! بندہ نوازی ہوگی اگر صبح کا کھانا اس فقیر کے ہاں سوجان پور میں تناول فرمایا جائے' نیز یہ بھی عرض کیا کہ موضع پوہا والے تمام افراد بھی وہاں کھانا کھائیں تو بڑی برکت کی بات ہے۔مگر میاں محمد اور دوسرے اصحاب نے کہا کہ ہم گھر سے کھا کر آئیں گے۔لہذا میں نے جا کر ستر آدمیوں کا کھانا تیار کر لیا۔چٹنی تیار ہو رہی تھی کہ حضور نے دریافت فرمایا کیا کھانا تیار ہے، میں نے عرض کیا' حضور تیار ہے' اتنے میں پوہا اور گردونواح کے تین سو آدمی تشریف لے آئے آپ نے تمام اشیاء کو نظر رحمت سے ملاحظہ فرمایا اور کھانے پر اپنی چادر ڈال کر تقسیم کرنے کی اجازت دے دی۔چنانچہ تمام اصحاب کے سیر ہو جانے کے بعد تبرک محلے بھر میں تقسیم ہونے پر بھی بچ گیا جو ہم نے شام کو کھایا۔آپ کی یہ کرامت دیکھ کر کئی غیر مقلد تائب ہوئے۔

☆...... سیدی و مرشدی حضرت سجادہ نشین حضور نقش لاثانی قدس سرہٗ راوی ہیں کہ ایک دن دوپہر کے وقت جب اکثر درویش آرام فرماتے تھے اور حضور شاہ لاثانی باغ میں جلوہ افروز تھے۔ایک بڑھیا اپنی جوان بہو کے ساتھ حاضر خدمت ہوئی۔پوچھنے پر بڑھیا نے پانی آنکھوں کے بے نور ہو جانے اور اپنی بہو کے بے اولاد رہنے کی شکایت کی۔حضور قبلہ عالم کے حکم سے ہم نے رہٹ چلایا تو انہیں جلالی انداز میں حکم ہوا کچھ پانی پی لو۔کچھ آنکھوں پر مل لو۔حضرت فرماتے ہیں قریباً ایک سال بعد ہم نے دیکھا وہ بڑھیا اپنی بہو کو لے کر پھر حاضر ہوئی، اس کی اپنی آنکھیں روشن تھیں اور بہو کی گود میں بیٹا تھا۔

☆...... ننگل سادھاں (نزد مرید کے) کے عبدالرحیم خاں صاحب حضرت پیر سید ظہور علی شاہ صاحب گجراتی کے مرید تھے۔بعض لوگ سمجھتے تھے کہ آپ سید نہیں کشمیری ہیں۔عبدالرحیم خاں صاحب پریشان تھے اور حقیقت الامر کی تحقیق کروانا چاہتے تھے۔اس غرض سے وہ دربار شریف آئے مگر اس خیال سے کہ حضور کو دنیوی کروفر سے نفرت ہے، اپنا کلہ دربار اقدس کے قریب ہی کماد کے ایک کھیت میں رکھ آئے۔حاضر بارگاہ ہو کر سلام عرض کیا تو آپ نے فرمایا' میاں اگر میرے ڈر سے ہی کلہ کماد میں چھوڑ آئے ہو تو کیا فائدہ' اگر چھوڑنا ہے تو خدا کے ڈر سے چھوڑ و تا کہ فائدہ بھی ہو۔عبدالرحیم صاحب عرض کرنے لگے حضور کلہ بعد میں سنبھالا جائے گا پہلے یہ بتائیں کہ ظہور شاہ صاحب سید ہیں یا کشمیری۔حضور نے فرمایا یہ سید ہیں، کشمیر سے آنے کی بنا پر ان کی سیادت میں کیا فرق آیا۔کیا کشمیر میں سید نہیں ہوتے۔

ملت اسلامیہ اور عقیدہ ختم نبوت

ضیاء الامت جسٹس **پیر محمد کرم شاہ الازہری** رحمتہ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمین ۔ والصلوة والسلام علی سیدنا و مولانا محمد خاتم الانبیاء و المرسلین وعلی آله صحبه اجمعین۔

ملت اسلامیہ، عقیدہ ختم نبوت کے بارے میں حد درجہ حساس کیوں ہے؟ جب بھی اور جہاں بھی کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ امت مسلمہ کے تمام مکاتب فکر نے متفقہ طور پر اسے گردن زنی قرار دیا۔ ہر قسم کی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس فتنہ کی بیخ کنی کے لئے سردھڑ کی بازی لگا دی آخر کیوں؟

وہ قوم اپنے خون کے پیاسوں کو معاف کر دینے میں خوشی محسوس کرتی ہے۔ جو اپنے دشمنوں کے ساتھ مروت اور رواداری کا برتاؤ کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتی وہ کیوں ایک مدعی نبوت کو اپنے درمیان برداشت نہیں کر سکتی؟

یہ وہ سوالات ہیں جو ہمارے مشفق ناصحین ہم سے پوچھتے ہیں۔ انہیں اس بارے میں ملت کے اجتماعی ردعمل کی کوئی توجیہہ نہیں سوجھتی۔

میں انہی سوالات کا مختصر جواب اس عظیم کانفرنس کے معزز شرکاء کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس خداوند ذوالجلال نے، جس کو ہم اپنا خالق، مالک اور معبود برحق یقین کرتے ہیں اس نے اپنی کتاب مقدس میں واضح طور پر یہ ارشاد فرمایا ہے: کہ میں نے اپنے برگزیدہ بندے اور جلیل القدر رسول ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا ہے۔ انبیاء و رسل کی سنہری زنجیر کی آپ ﷺ آخری حسین کڑی ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد میں کسی کو منصب نبوت پر فائز نہیں کروں گا۔ جبرئیل امین اب کسی انسان پر میری وحی لے کر نازل نہیں ہوگا۔ یہ ہمارے اس خدا کا فرمان ہے جو ہمارا معبود برحق ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ وہ سچا ہے اس کا ہر فرمان سچا ہے۔ اب اگر کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو گویا وہ ہمارے رب قدوس کے ارشاد کی تکذیب کرتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کیلئے ایسا انسان قابل برداشت ہوسکتا ہے جو ان کے رب کو جھٹلانے کی جسارت کرتا ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہادی اور مرشد، ہماری آنکھوں کے نور اور دلوں کے سرور، حضرت محمد علیہ الطیب التحیۃ اجمل الثنا، جن کی نبوت پر ہم جان و دل سے ایمان لے آئے ہیں، جن کی غلامی کو ہم دونوں جہانوں میں وجہ عزوشرف سمجھتے ہیں۔ عالم غیب کے وہ اسرار نہاں، جن تک نہ ہمارے ظاہری حواس کی رسائی ہے اور نہ ہماری عقلیں وہاں دم مار سکتی ہیں۔ محض اس نبی مکرم ﷺ کے فرمانے پر ہم نے ان کی صداقت کو تسلیم کیا ہے ہمارے اس شان والے نبی ﷺ نے اپنی امت کو بار بار اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ میں اپنے خدا کا آخری نبی ﷺ ہوں۔ میرے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی یا رسول نہیں آئے گا۔ ہمارے نبی مکرم ﷺ نے یہ اعلان ایک بار نہیں بار بار کیا، مختلف تقریبات میں کیا۔ حضور ﷺ نے اس حقیت کے لئے اظہار کے مختلف اسلوب اختیار فرمائے تا کہ ہر امتی کے لوح قلب پر یہ عقیدہ نقش ہو جائے اور کوئی وسواس الخناس اس عقیدہ کے بارے میں اسے شک وشبہ میں مبتلا نہ کر سکے حضور ﷺ نے اپنے علم خداداد سے اپنی امت کو ان شر پسند، طالع آزماؤں سے بھی خبردار کر دیا فرمایا

فانه سیکون فی امتی کذابون ثلاثون کلهم یزعم انه نبی . وانا خاتم النبیین ولا نبی بعدی . (ابوداؤد) ترجمة: عنقریب میری امت میں تیس جھوٹے ہوں گے ہر ایک گمان کرے تا کہ بیشک وہ نبی ہے اور میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں یعنی کہ میرے بعد نبوت کے جھوٹے مدعی ظاہر ہوں گے۔ خبرداران کے دام فریب میں نہ پھنس جانا۔ وہ دجال ہوں گے۔ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

جب تک یہ امت حضور سرور عالم علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنا ہادی و رہبر سمجھتی ہے۔ اس کی غیرت ایمانی اسے کب اجازت دیتی ہے کہ وہ اس خفتہ بخت کو اپنے اندر برداشت کرے۔ جو نبوت کا دعویٰ کر کے اس نبی مکرم ﷺ کے صدہا ارشادات جو متواتر اور قطعی ہیں کو جھٹلا رہا ہے۔

تیسری وجہ جس نے ملت اسلامیہ کو ختم نبوت کے بارے میں اس قدر حساس بنا دیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ عقیدہ ہمارا بنیادی عقیدہ ہے اور حق تو یہ ہے کہ اسی پر ہماری زندگی اور موت بقا اور فنا کا دارومدار ہے۔ جس طرح ہم عقیدہ توحید کو نظر انداز کر کے بحیثیت امت مسلمہ زندہ نہیں رہ سکتے بعینہ اسی طرح اگر خدانخواستہ ہم عقیدہ نبوت سے دستبردار ہو جائیں تو ہماری تعداد اگر چہ ایک ارب کے قریب ہے۔ تعداد کی اس کثرت کے باوجود بحیثیت امت کے ہم

چشم زدن میں نیست و نابود ہو جائیں گے۔ بحیثیت ملت ابراہیمی ہمارا نام و نشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ امت مسلمہ کا یہ قصر رفیع صرف دو بنیادوں پر استوار ہے۔ عقیدہ توحید اور عقیدہ ختم نبوت۔

ہم نے اپنی چودہ صد سالہ پر آشوب بندگی میں انہی کے سہارے حادثات روزگار کا جوانمردی سے مقابلہ کیا اسلام کے ابتدائی سالوں میں یعنی عہد خلافت راشدہ میں اس زمانہ کی دو عالمی طاقتوں ایران اور روم نے بیک وقت اسلام سے ٹکر لی اور اس عقیدہ کی قوت سے ہم نے ان دونوں کو پاش پاش کر دیا۔

وحشی تارتاریوں کے ٹڈی دل، عالم اسلام پر حملہ آور ہوئے۔ ہمارے شہروں کی فصیلوں کو تو انہوں نے منہدم کر دیا۔ ہمارے لاکھوں مقتولوں کے سر کاٹ کر فلک بوس مینا تو تعمیر کے لئے۔ ہمارے ان گنت علمی جواہر پاروں کو انہوں نے دریائے دجلہ میں غرق کر دیا۔ یہاں تک کہ ان کی سیاہی سے اس کا پانی ہفتوں سیاہ ہو کر بہتا رہا۔ عالیشان مسجدیں اور عظیم جامعات کھنڈرات میں تبدیل کر دیئے گئے بایں ہمہ ہمارے دلوں کے قلعوں میں عشق مصطفیٰ ﷺ کی جو شمع فروزاں تھی وہ اس کو نہ بجھا سکے۔ ظلم و ستم کی ان خونی آندھیوں میں بھی وہ فروزاں رہی، زندگی کی حرارت اور امید کی روشنی سے وہ ہمیں مٹ جانے سے بچاتی رہی۔ اس ملک گیر تباہی پر ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ بربادیوں کی راکھ میں ایمان کی دبی ہوئی یہ چنگاریاں پھر جاگ اٹھیں اور انہوں نے ان دلوں کو گلزار خلیل بنا دیا جو چند سال بیشتر آتشکدہ نمرود کی طرح اسلام کے خلاف نفرت و عداوت کے جذبات بھڑک رہے تھے۔

جب یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ عقیدہ توحید کی طرح عقیدہ ختم نبوت پر ہماری زندگی اور بقا کا انحصار ہے تو ہم اپنے عقیدہ ختم نبوت کو نظر انداز کر کے اپنی شاہ رگ کاٹ ڈالیں۔ ہم کسی کو خوش کرنے کیلئے خود کشی کے مرتکب ہوں۔ یہ کیونکر ممکن ہے حالانکہ نوع انسان کی فلاح کیلئے ہمارا زندہ و سلامت رہنا ضروری ہے کیونکہ ہم اس اکسیر اعظم کے امین ہیں۔ جاں بلب انسانیت کو جس کی اشد ضرورت ہے۔ ہم اس دین فطرت کے حامل ہیں جو ساری انسانیت کیلئے پیغام رحمت اور سرمایہ سعادت ہے۔ ہمارے سینے اس صحیفہ رشد و ہدایت کے انوار سے منور اور برکات سے معمور ہیں جو رب اللعالمین نے کسی خاص قوم، کسی خاص نسل، کسی خاص ملک، کسی مخصوص زمانہ کیلئے ہدایت بنا کر نازل کیا بلکہ ھدی للناس کی شان سے مزین کر کے اس کو اپنے محبوب کے قلب منیر پر نازل کیا۔ امت مصطفویہ کی شمع حیات اگر گل ہو جائے تو سارا عالم تاریخی میں ڈوب جائے، چاروں طرف گھپ اندھیرا چھا جائے۔

میں نے ابھی ابھی عرض کیا ہے کہ عقیدہ ختم نبوت، وہ عقیدہ ہے، جس پر ہماری حیات و موت اور بقا و فنا کا انحصار ہے۔ اگر یہ عقیدہ خدانخواستہ ہم ترک کر دیں تو بحیثیت امت مسلمہ چشم زدن میں ہمارا نام و نشان تک مٹ جائے گا ممکن ہے بعض احباب یہ سوچ رہے ہوں کہ یہ جملہ میں نے شاید جذبات سے مغلوب ہو کر لکھ دیا ہے، حقیقت سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں کیونکہ اگر کروڑوں لوگ پانچ نماز ادا کرتے رہیں، رمضان کا ہلال نظر افروز ہو تو سب پابندی سے روزہ رکھیں۔ ذی استطاعت لوگ کارواں در کارواں حج کا فریضہ ادا کرنے کے لئے مکہ کا طویل اور کٹھن سفر طے کرتے رہیں۔ شاندار مساجد کی تعمیر کا سلسلہ جاری رہے۔ ان میں اذان کی آواز بھی بلند ہوتی رہے صرف عقیدہ ختم نبوت پر ایمان نہ رہے تو اس سے اسلام یا امت مسلمہ کے وجود کو کیا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

اس شبہ کے ازالہ کے لئے میرے لئے اب ناگزیر ہو گیا ہے کہ بطور مثال میں ایک ایسے شخص کا تذکرہ کروں۔ جس کے تذکرہ کو میں پسند نہیں کرتا تھا۔ وہ ہے انجہانی مرزا غلام احمد قادیانی، کیونکہ انگریزی استعمار کے ظل عاطفت میں انہیں نبوت کاذبہ کا کاروبار چلانے کے طویل عرصہ تک موقع ملا ہے۔ اور برگشتہ قسمت لوگوں کا ایک انبوہ انہوں نے اپنے گرد جمع کر لیا ہے اس جماعت اور اس کے لیڈروں کے حالات کا اگر آپ ایمانداری اور سنجیدگی سے جائزہ لیں گے تو آپ کو اس مسئلہ کی سنگینی کا یقیناً احساس ہونے لگے گا آپ کو یہ حقیقت آشکارا ہو جائے گی کہ جو شخص حضور پرنور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ختم نبوت کا انکار کر کے کسی اور شخص (مرزا لعین ہوں یا کوئی اور) کی نبوت پر ایمان لاتا ہے تو اس کا رشتہ امت مسلمہ سے ٹوٹ جاتا ہے اور وہ ایک نئی امت کا فرد بن جاتا ہے۔

چنانچہ مرزا نے ان تمام مسلمانوں کو جنہوں نے ان کی نبوت کو تسلیم نہیں کیا اور اپنے ماننے والوں کو تاکیدی حکم دیا ہے کہ وہ امت مسلمہ کے افراد سے کوئی دینی اور دنیوی تعلق قائم نہ کریں۔ نہ ان کے ائمہ اقتدار میں ان کی نماز ہو سکتی ہے نہ انہیں اجازت ہے کہ اپنی بچیوں کا رشتہ دوسرے مسلمانوں کو دیں۔ نہ انہیں ان کی شادی کی تقریبات میں شامل ہونے کی اجازت ہے حتیٰ کہ اگر کوئی مسلمان فوت ہو جائے تو وہ اس کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھ سکتے خواہ وہ فوت ہونے والا بڑا متقی اور پارسا ہو، خواہ ان کا قریبی رشتہ دار ہو۔ خواہ عمر بھر اس نے ان پر احسانات کئے ہوں اور خواہ وہ شیر خوار معصوم بچہ ہو۔ کسی مرزائی کے لئے روا نہیں کہ وہ کسی مسلمان کی نماز جنازہ ادا کرے۔ حضرت قائد اعظم کا جب انتقال ہوا تو چوہدری ظفر اللہ قادیانی نے قائد اعظم کی نماز جنازہ پڑھنے سے برملا انکار کر دیا۔

ان انفرادی معاملات کے علاوہ اجتماعی نظریات بھی بدل جاتے ہیں۔ وہ قومیں، جنہوں نے اسلامی مملکتوں کی آزادی کو چھینا اور ان پر غاصبانہ قبضہ کر لیا، جو امت مسلمہ کی دشمن تھیں ان سے مرزا اور اس کے معتقدین محبت غیر مشروط وفاداری کا اظہار کرتے اور اس پر فخر کرتے ان کی فتوحات پر خوشی کے شادیانے بجاتے اور گھی کے چراغ روشن کرتے۔ جب پہلی جنگ عظیم میں برطانیہ کی فوجیں عراق میں فاتحانہ داخل ہوئیں اس روز مسلمانوں کے گھروں میں تو صف ماتم بچھی ہوئی تھی ہر مسلمان دلگیر اور گریہ کناں تھا اس روز قادیانیوں کے خلیفہ مرزا محمود نے ایک کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے بے پایاں مسرت کا یوں اعلان کیا۔

”مسلمان علماء“ انگریزوں کے ساتھ تعاون پر ہمیں مطعون کیا کرتے ہیں اور ان کی فتوحات پر خوشیاں منانے پر ہمیں ملامت کرتے ہیں ہم پوچھتے ہیں کہ ہم کیوں خوشیاں نہ منائیں۔ ہم کیوں مسرت کا اظہار نہ

کریں۔ ہمارے امام (غلام احمد) نے کہا تھا کہ میں مہدی ہوں، حکومت برطانیہ میری تلوار ہے ہم اس فتح پر مسرور ہیں ہماری یہ آرزو ہے کہ اس تلوار کی چمک عراق، شام اور ہر جگہ نگا ہوں کو خیرہ کرتی رہے" (الفضل 7-12-1918)

جب مسلمانوں کے مقدس شہر بیت المقدس میں برطانوی لشکر نے داخل ہو کر اس پر اپنا پرچم لہرایا یہ لمحہ ساری امت مسلمہ کیلئے انتہائی رنج والم کا لمحہ تھا لیکن مرزا محمود نے اس موقع پر بھی اپنی انتہائی خوشی اور مسرت کا اظہار کیا۔

جب ترکی حکومت کو پہلی جنگ عظیم میں شکست ہوئی تو الفضل میں ایک مضمون شائع ہوا جس کا ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔

"برطانیہ کی فتوحات پر ہم اللہ تعالیٰ کا ہزار بار شکر ادا کرتے ہیں ان کی فتح (یعنی مسلمانوں کو شکست) ہماری خوشی و مسرت کا باعث بنی ہے کیونکہ ہمارا امام ان کی کامیابی کیلئے ہمیشہ دعائیں کرتا تھا اور اپنے فرقہ کو بھی ان کیلئے دعا کرنے کی تلقین کرتا تھا۔ (الفضل 1918-11-23)

مرزا کی سیرت کا از حد شرمناک پہلو اس وقت سامنے آتا ہے جب وہ انگریز حکومت کی خوشامد اس انتہائی لجاحت کا مظاہرہ کرتے ہیں، مرزا صاحب نے وائسرائے ہند کی خدمت میں ایک درخواست ارسال کی جس میں انہوں نے تحریر کیا۔

عزت مآب!

"میں اس درخواست کے ساتھ اپنے پیروکاروں کے ناموں کی فہرست بھی منسلک کر رہا ہوں اس سے مدعا صرف یہ ہے کہ آپ کو ان عظیم خدمات کی طرف متوجہ کروں جو میں نے اور میرے آباء و اجداد نے آپ کے لئے انجام دی ہیں مجھے قوی امید ہے کہ سرکار دولت مدار میرے خاندان کی حفاظت کرے گی، جس نے پچاس سال تک بڑی وفاداری اور خلوص کے ساتھ حکومت کی خدمت کی ہے۔۔۔ بڑے بڑے افسروں نے اعتراف کیا ہے کہ یہ خاندان ہمارے خادموں کا خاندان ہے اور بڑا مخلص ہے اس وجہ سے میں پر امید ہوں کہ عزت مآب اپنے ماتحت افسران کو ہدایات جاری کریں گے کہ وہ اس پودا کی پوری طرح حفاظت کریں جو آپ نے اپنے دست مبارک سے کاشت کیا ہے۔ اور میرے پیروکاروں پر بھی شفقت کی نظر رکھیں گے جنہوں نے اپنی زندگیاں اور اپنے خون کی قربانیوں دینے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ ان عظیم خدمات کے بدلے میں ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم آپ سے درخواست کریں کہ حکومت ہماری دستگیری کرے تاکہ کوئی آدمی ہمیں ضرر نہ پہنچائے۔

(خلاصہ از تبلیغ رسالہ قاسم قادیان صفحہ ۷)

اللہ تعالیٰ نے جن انبیاء کا تذکرہ قرآن کریم میں فرمایا ہے ان میں ایک نبی بھی ایسا نہیں جو باطل کی طاغوتی قوت کے سامنے اپنی نیاز مندی اور وفاداری کے جذبات کا یوں اظہار کر رہا ہو۔ اور اس پر فخر محسوس کر رہا ہو لیکن قادیان کے اس مدعی نبوت کے اطوار ہی نرالے ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ انبیاء صادقین کے پاکیزہ زمرہ کے ساتھ مرزا لعین کا دور کا واسطہ بھی نہیں

اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے کیلئے اور طاغوتی قوتوں کا سر غرور خاک میں ملانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے غلامان مصطفیٰ علیہ الطیب التحیۃ و اجمل الثنا کو جہاد کرنے کا حکم دیا اسی جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر نہتے مسلمان سپاہی، کفر کی زرہ پوش فوجوں سے ٹکراتے تھے اور ان کو پاش پاش کر کے رکھ دیتے تھے۔ آج بھی ساری کمزوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود جب بھی ہمارے بچے خالد بن ولید اور طارق بن زیاد رضی اللہ عنہما کا نام سنتے ہیں تو فخر سے ان کے سر بلند ہو جاتے ہیں۔ جوش جہاد سے ان کی آنکھیں چمکنے لگتی ہیں لیکن حکومت برطانیہ کے ساختہ پرداختہ نبی کا انداز بھی حیران کن ہے وہ اس جذبہ جہاد کو ہی ختم کردینے کے درپے ہے چنانچہ اپنی محسن حکومت کی خدمت میں اپنی عظیم خدمات بیان کرتے ہوئے عرض پرداز ہے۔

"میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید وحمایت میں گزرا ہے اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریزی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں کہ اگر وہ اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں۔ میں نے ایسی کتابوں کو تمام ممالک عرب، مصر، شام اور کابل روم تک پہنچادیا ہے۔ (تریاق القلوب صفحہ 15)

ان چند اقتباسات سے آپ کو معلوم ہو گیا کہ جب نبوت کا مرکز عقیدت بدل جاتا ہے تو نظریات و عقائد میں ایک ہمہ گیر تبدیلی رونما ہو جاتی ہے۔ خوشی اور غم۔ فتح اور شکست، سود اور زیاں کے سارے معیار بدل جاتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں نے اپنی ملی وحدت کو برقرار رکھنے کے لئے خون کے دریا بہا کر عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت کی۔ رحمت دو عالم ﷺ کے وصال پر ملال کے بعد وہ فتنے جو پہلے جلال نبوت کے رعب سے سہمے ہوئے تھے پر پرزے نکالنے لگے کوئی قبیلہ زکوٰۃ دینے سے انکار کر رہا ہے کوئی قبیلہ مدینہ کی سربراہی کو تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں اپنی علیحدہ آزاد ریاست بنانے کے خواب دیکھنے لگا ہے اور بعض طالع آزما لوگوں نے قبائلی عصبیت کو از نو بیدار کر کے اپنی نبوت کا اعلان کر دیا ہے ان ناگفتہ بہ حالات میں جانشین رسول مقبول خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنی اولین توجہ فتنہ انکار ختم نبوت کی بیخ کنی کی طرف مبذول کی اور اللہ کی تلوار حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر جرار روانہ کیا جو جلیل القدر صحابہ اور اسلام کے جانباز سپوتوں پر مشتمل تھا حضرت خالد نے جب تک یمامہ کے میدان کارزار میں مسیلمہ کذاب اور اس کے اٹھائے ہوئے فتنہ کو ہمیشہ کیلئے ختم نہیں کر دیا اس وقت تک چین کا سانس نہیں لیا، طبری کا بیان ہے کہ اس جنگ میں مسیلمہ کذاب کے دس ہزار آدمی تہ تیغ ہوئے اور لشکر اسلام کے بارہ سو مجاہدین نے جام شہادت نوش کیا جن میں فاروق اعظم کے بھائی حضرت زید بن خطاب، حضرت عالم، اور حضرت ابو حذیفہ جیسے عالی مرتبت صحابہ کرام نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے اپنے سر کٹائے اور خون کے دریا بہائے مسلمان شہداء میں سات سو کے قریب وہ لوگ تھے جو قرآن کریم کے حافظ تھے۔

اس طرح حضرت صدیق اکبر نے اپنی بے مثال جرات سے اس ازحد خطرناک فتنہ کو ہمیشہ کیلئے موت کی نیند سلادیا۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا اعلان کیونکہ ملت اسلامیہ کے شیرازہ کو منتشر کرنے کے لئے ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کیلئے، ان کی فکری یک جہتی کو درہم برہم کرنے کے لئے ایک موثر حربہ تھا اسلئے تمام وہ قوتیں جو مسلمانوں کو کمزور اور بے بس بنانے کے لئے کوشاں تھیں انہوں نے زور شور سے مرزا کی تائید کی، سخنے، درمے، قدمے۔ تمام ذرائع سے ان کا دفاع کیا اور ان میں سے چند لوگوں نے ایسے بیانات دیئے جس سے حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے اور بتوں کے پجاری ہونے کے باوجود یا خدا کی ذات کے منکر ہونے کے باوجود مرزا صاحب سے ان کی تحریک سے ان کی بے پناہ دلچسپی کا معمہ حل ہو جاتا ہے

ایک کٹر متعصب ہندو ڈاکٹر شنکر داس کی ایک تقریر کا مطالعہ آپ کی آنکھیں کھول دے گا یہ تقریر روزنامہ "بندے ماترم" کے شمارہ ۲۲۔ اپریل ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی جو اس نے ہندوؤں کے ایک اجتماع کے سامنے کی۔ انہوں نے کہا۔

"سب سے نازک ترین مسئلہ جو اس وقت ملک کو درپیش ہے وہ یہ ہے کہ ہندوستان میں ہندی قومیت کی روح کو کیسے پروان چڑھایا جائے بعض اوقات سودا بازی کیلئے مسلمانوں کے ساتھ معاہدے اور پیکٹ کئے جاتے ہیں۔ بسا اوقات ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لئے ہمیں ان کو رشوت دینی پڑتی ہے اور بسا اوقات ان کے ساتھ سیاسی اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن ان میں سے کوئی تدبیر نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی۔ ہندی مسلمان اپنے آپ کو ایک الگ قوم سمجھتے ہیں وہ رات دن رسول عربی ﷺ کی مدح وثناء کے گیت گاتے رہتے ہیں۔ اگر ان کا بس چلے تو ملک ہندوستان کا نام بھی ملک عرب رکھ دیں۔ اس تاریک ماحول میں ہندی قوم پرست اور محبان وطن کو روشنی کی صرف ایک کرن نظر آتی ہے اور وہ فرقہ احمدیہ جتنی کثرت سے مسلمان قادیانیت کو قبول کریں گے وہ قادیان کو اپنا مکہ تصور کریں گے آخرکار ہندوستان ان کی محبت اور عقیدت کا مرکز بن جائے گا۔ قادیانی تحریک کی مسلمانوں کے درمیان مقبولیت عرب ثقافت اور عالمی اسلامی اتحاد کے خطرے کو دور کرسکتی ہے۔"

آپ بنظر انصاف خود ہی فیصلہ کیجئے جس کے ساتھ بت پرستوں نے امیدیں وابستہ کر رکھی ہوں وہ بت شکنوں کا راہنما اور راہبر کیسے بن سکتا ہے؟ پھر ڈاکٹر مذکور ان تغیرات اور ان تبدیلیوں کا ذکر کرتا ہے جو اس مسلمان کے افکار و نظریات میں رونما ہوتی ہیں جو مرزا کی نبوت پر ایمان لاکر اس کی یا اس کے خلیفہ کی بیعت کر لیتا ہے، وہ لکھتا ہے۔

"جب کوئی ہندو اسلام قبول کرتا ہے تو راما کرشنا، نیز ویدوں، گیتا اور رامائن سے جو اس کو پہلے عقیدے و محبت تھی وہ قرآن کی طرف منتقل ہو جاتی ہے جو جزیرہ عرب کے تقدس کو قبول کر لیتا ہے اور اس کی پہلی محبوب چیزیں اپنی اہمیت سے کلیۃً محروم ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جب کوئی مسلمان قادیانیت کو قبول کرتا ہے تو اس کا سارا نقطہ نظر بدل جاتا ہے اس کی عقیدت محمد رسول اللہ سے ختم ہو جاتی ہے مکہ اور مدینہ صرف روایتی طور پر اس کیلئے مقدس رہ جاتے ہیں کوئی قادیانی دنیا کے کسی ملک میں ہو وہ روحانی تسکین حاصل کرنے کے لئے اپنا رخ قادیان کی طرف کرتا ہے قادیان کی سرزمین ہی اس کیلئے نجات کی زمین بنکر رہ جاتی ہے اس طرح ہر قادیانی آخرکار ہندوستان سے محبت کرنے لگے گا کیونکہ قادیان جو اس کی عقیدت اور محبت کا مرکز ہندوستان میں واقع ہے۔ نیز قادیانی تحریک کا بانی اور اس کے جانشین سارے ہندوستانی ہیں"۔

ڈاکٹر شنکر داس نے کہا کہ تحریک خلافت میں بھی احمدیوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا کیونکہ وہ ترکی اور عرب میں مرکز قائم کرنا چاہتے ہیں۔ عام مسلمانوں کیلئے جو ہمیشہ عالمی اسلامی اتحاد اور عالمی عرب اتحاد کے خواب دیکھتے رہتے ہیں یہ بات بڑی مایوس کن ہے لیکن ایک قوم پرست کیلئے اس سے زیادہ دل خوش کن اور کوئی بات نہیں۔"

ایک ہندو ڈاکٹر نے کھل کر اس حقیقت کو واضح کردیا کہ ختم نبوت کا انکار کرنے سے ملت اسلامیہ کی اساس جس پر اس کا یہ قصر رفیع تعمیر کیا گیا ہے یکسر منہدم ہو جاتی ہے اور نئی بنیادوں پر ایک نئی عمارت تعمیر کی جاتی ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ وہ ذاتی طور پر دہریہ تھے وہ خدا پر ایمان نہیں رکھتے تھے وہ کسی مذہب کے پیروکار نہ تھے ہندومت سے بھی انہیں بحیثیت دھرم کوئی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے باوجود جب ترجمان حقیقت علامہ اقبال نے مرزا غلام احمد کی تردید میں زوردار مضمون لکھے اور عقلی دلائل سے ثابت کیا کہ مرزا صاحب کا دعویٰ نبوت سراسر جھوٹ ہے اور اس کے پیروکار اس بات کا قطعاً حق نہیں رکھتے کہ انہیں امت مسلمہ کا ایک جزو قرار دیا جائے ان مضامین کو پڑھ کر پنڈت نہرو تلملا اٹھے اور بڑے زور شور اور بڑے طمطراق سے مرزائیوں کی تائید میں پے در پے کئی مقالے سپرد قلم کئے۔ حضرت علامہ نے اس پر جو تنقید کی تھی اس سے ان کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ پنڈت جی کو عقائد کی دنیا سے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔ پنڈت جی نے کھل کر اور جوش خروش سے مرزا قادیانی کا دفاع کیا اور اس کی نبوت کیلئے دلائل فراہم کئے اس کی وجہ محض یہ تھی کہ مرزائیت کی ترقی میں انہیں مسلمانوں کا انحطاط اور زوال نظر آرہا تھا پنڈت جی کیلئے اس سے زیادہ مسرت آگئیں اور خوش کن اور کیا چیز ہوسکتی تھی۔ مرزا سے پنڈت نہرو کی دوستی اور حمایت سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا قادیانی اسلام کی سربلندی کیلئے نہیں بلکہ کافر قوتوں کی سربلندی چاہتے تھے اس لئے کافر قوتوں کے آلہ کار تھے۔

ہم پنڈت جی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے یہ مضامین لکھ کر حکیم الامت علامہ اقبال کے قلم حقیقت رقم کو جنبش دی اور انہوں نے مرزائیت کی تردید میں ایسے مدلل اور وزنی مضامین رقم فرمائے جن کے مطالعہ سے اس

وقت کے تعلیم یافتہ مسلم جوانوں کی آنکھوں سے غفلت کے پردے ہٹ گئے اور وہ ان گھناؤنے اور تلخ نتائج سے بروقت آگاہ ہو گئے جو شیاطین الجن والانس کی پیدا کردہ اس تحریک پر ملت اسلامیہ کے لئے مرتب ہونے والے تھے۔ پنڈت جی کے یہ مضامین علامہ کے لئے ایک چیلنج تھے۔ اپنی شدید علالت کے باوجود انہوں نے اس چیلنج کو قبول کیا اور پھر اس کا ایسا منہ توڑ جواب دیا جو قادیان کے قصر نبوت پر بجلی بن کر آ گرا۔ اور اسے راکھ کا ڈھیر بنا دیا۔ درحقیقت یہ فیض تھا عشق مصطفوی ﷺ کا جس سے علامہ کا دل اور علامہ کا ذہن دونوں جگمگا رہے تھے۔ علامہ کے تقریباً پچاس سال پہلے لکھے ہوئے ان مضامین کی افادیت آج بھی تر و تازہ ہے یقین کی جو مہلک ان کے جملوں سے پھوٹ رہی ہے وہ مشام جاں کو آج بھی معطر کر رہی ہے نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ پنڈت نہرو کے مقالوں اور ترجمان حقیقت کے تردیدی مضامین کا تقابلی مطالعہ کریں حقیقت خود بخود آشکارا ہو جائے گی۔

الغرض جب مرزا نے مبلغ سے مصلح، مصلح سے مہدی، مہدی سے مسیح موعود اور مسیح موعود سے زقند لگا کر ظلی نبی اور ظلی نبی سے چھلانگ لگا کر حقیقی نبی کے منصب پر براجمان ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے ساتھ انگریز کی غیر مشروط تابعداری اور پختہ وفاداری کا قدم قدم پر اعلان کیا تو ملت اسلامیہ کے تمام طبقوں کے علماء سر بکف میدان عمل میں نکل آئے قدم قدم پر انہوں نے جھوٹے نبی کو للکارا اور عقلی اور نقلی دلائل نے اس کے ہر دعویٰ کے بخیئے ادھیڑ کر رکھ دیئے۔ لیکن مکاری اور عیاری کے اس مضبوط گڑھ کو تخت و تاراج کرنے کے لئے کفر و طاغوت کے اس مستحکم قلعہ کی سنگین دیواروں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اہل السنت والجماعت کے ایک فرید العصر عالم ربانی سلسلہ فقر و درویشی کے مہر منیر خانوادہ چشتیہ نظامی کے ایک گوہر شب تاب اور گل سر سبد حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب چشتی نظامی سیالوی قدس سرہ کو منتخب فرمایا، جب مرزا نے مشائخ سلاسل اربعہ کو مناظرہ کا چیلنج دیا تو آپ نے مرزا کے مناظرہ کے چیلنج کو قبول کیا گولڑہ شریف سے علماء اور فقراء کا ایک لشکر جرار ساتھ لے کر مرزا قادیانی کے ساتھ مناظرے کے لئے لاہور روانہ ہوئے۔ راولپنڈی اور لالہ موسیٰ سے مرزا کو بذریعہ ٹیلیگرام اپنی آمد کی اطلاع دیتے رہے۔ 24 اگست 1900ء کو آپ لاہور پہنچے لاہور ریلوے سٹیشن پر علماء مشائخ اور عام مسلمانوں کے ایک جم غفیر نے آپ کا شایان شان استقبال کیا۔ آپ 24 اگست سے 29 اگست 1900ء تک چھ روز لاہور قیام فرما رہے اور مرزا کو مقابلہ کے لئے للکارتے رہے لیکن اس گربہ مسکین بلکہ موش ضعیف و نزار کو یہ حوصلہ نہ ہوا کہ قادیان سے قدم باہر رکھ سکے۔ بار بار کے اصرار کے باوجود جب وہ میدان مناظرہ میں نہ آیا تو شاہی مسجد لاہور میں ایک تاریخ ساز عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا جس میں ملک کے کونے کونے سے آئے ہوئے علماء و مشائخ نے حضرت پیر صاحب کی کامیابی اور مرزا کی شکست فاش کا اعلان کیا۔ ذوالفقار حیدری کی یہ وہ کاری ضرب تھی جس نے قادیان کے در و دیوار کو لرزا کر رکھ دیا۔ اس کے بعد بھی قادیانیت کی بیخ کنی کے لئے علماء و مشائخ کا جہاد پوری قوت سے جاری رہا۔ مجاہد اسلام حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف اور آپ کے فرزند دلبند فخر روزگار شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب قدست اسرارہم ان کے علاوہ دیگر مشائخ و علماء اور مردان حق ختم نبوت کے عقیدے کے تحفظ کے لئے کفن بدوش، سر بکف، شمشیر بدست میدان جہاد میں ڈٹے رہے۔ اہلسنت والجماعت کے علماء ربانیین بھی اپنی بے مثل تصنیفات، قلوب و اذہان کو مسحور کر دینے والی اپنی تقاریر اور خطبات سے قریہ قریہ بستی بستی، کوچہ کوچہ اس فتنہ کا مقابلہ کرتے رہے اور تا قیامت کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ سنت صدیقی پر عمل پیرا رہنا ان کی زندگی کا مقصد اولین ہے۔

جب بھی اس فتنہ کی بیخ کنی کے لئے اجتماعی کوششوں کی ضرورت محسوس کی گئی تو اہلسنت کے علماء و مشائخ نے کسی عہدہ کا مطالبہ کئے بغیر بلا تامل اس دعوت اتحاد پر لبیک کہی۔ اور اپنا تمام اثر و رسوخ، اپنے تمام وسائل، اپنی تمام علمی و ادبی قابلیتیں اس مہم کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے وقف کر دیں اور آئندہ بھی سنی ماؤں کی گود میں پلنے والا ہر بچہ اپنے محبوب کریم رحمت للعالمین خاتم النبیین ﷺ کی شان ختم نبوت کے تحفظ کے لئے اپنی جان کی بازی لگاتا رہے گا۔ اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہاتا رہے گا، درحقیقت یہی جذبہ دفاع ختم نبوت، ملت کی زندگی کی علامت ہے جب تک یہ جذبہ زندہ و سلامت، قوی و توانا رہے گا، ابلیسی نظام کا کوئی فتنہ کوئی سازش اس نور ہدایت کو بجھا نہ سکے گی۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔

یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون

آخر میں حضرت علامہ اقبال کے چند اشعار پر اپنی ان گزارشات کو ختم کرتا ہوں۔ ختم نبوت کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد ، بر رسول ، رسالت ختم کرد
رونق از ما محفل ایام را او رسل را ختم ، ما اقوام را
خدمت ساقی گری با ما گزاشت داد ما را آخریں جامے کہ داشت
لا نبی بعدی ز احسان خدا است بندۂ ناموس دین مصطفیٰ است
قوم را سرمایہ قوت ازو حفظ سرہ وحدت ملت ازو
حق تعالیٰ نقش ہر دعویٰ شکست تا ابد اسلام را شیرازہ بست
از غیر اللہ مسلمان برکند نعرہ لا قوم بعدی می زند

☆.....☆.....☆

شب برات اور شعبان شریف

پروفیسر محمد حسین آسی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جس طرح سارے انسان ہم جنس ہونے کے باوجود آپس میں برابر نہیں بلکہ فضیلت کے اعتبار سے ان میں ہزار ہا درجات کا فرق ہے۔ یونہی مہینے، دن، راتیں اور گھڑیاں بھی ایک جیسی نہیں۔ دعاؤں کی قبولیت میں زہد و تقویٰ کے علاوہ مخصوص اوقات کو بھی دخل ہے۔

زہد و تقویٰ سے نہیں ہوئیں دعائیں مستجاب وقت ہیں
کچھ خاص خاص اور ہیں دعائیں خاص خاص

جن اوقات کو خداوند کریم کے محبوبوں کی ولادت اور وصال یا کسی نعمت و رحمت کے نزول سے تعلق ہے، ان کی شان الگ ہے۔ ہم ایسے دنوں کو ان بزرگوں سے منسوب کرتے ہیں یا ان واقعات و انعامات سے مثلاً یوم میلاد، یوم عاشورہ، یوم النحر (قربانی کا دن) مگر قرآن حکیم کے الفاظ میں وہ سب ایام اللہ (یعنی اللہ کے دن) ہیں۔ گویا شہنشاہ حقیقی نے ان کی عظمت کو چار چاند لگانے کے لئے انہیں اپنی نسبت سے نوازا ہے۔

شعبان شریف اسلامی تقویم کا آٹھواں مہینہ ہے۔ یہ خود بھی عظیم ہے اور دو عظیم پڑوسیوں (رجب المرجب اور رمضان المبارک) کے درمیان بھی ہے۔ اسے شہر حبیب الرحمٰن (یعنی محبوب خدا ﷺ کا مہینہ) بھی کہا جاتا ہے۔ حضور سیدنا غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں شعبان میں پانچ حروف ہیں۔ ش نمبر۱، شرف کا ہے ع نمبر۲، علو (بلندی شان) کا ب نمبر۳، بر (احسان اور بھلائی) کا الف نمبر۴، الفت کا اور ن نمبر۵، نور کا۔ اس مہینے میں یہ پانچ حروف بارگاہ الٰہی سے بندے کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔ اس ماہ میں نیکیوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ برکتوں کا نزول ہوتا ہے، خطاؤں کو معاف کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود کی کثرت کی جاتی ہے۔ درود بھیجنے کا یہ خاص مہینہ ہے۔ رسول خدا ﷺ کا ارشاد ہے جو ایک بار مجھ پر درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمت نازل فرماتا ہے۔ اس لئے ہر دانش مند کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس مہینے میں درود شریف سے غافل نہ رہے بلکہ رمضان کے استقبال کی تیاری شروع کر دے۔ گذشتہ اعمال سے توبہ کر کے گناہوں سے پاک ہو جائے، ماہ شعبان ہی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ زاری کرے، رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ پکڑے کہ خدا اس کے دل کی خرابی دور فرما دے اور دل کی بیماری کا علاج ہو جائے۔ اس بارے میں دیر نہ کرے۔ دن تو صرف تین ہیں۔ ایک کل جو گذر گیا، ایک آج جو عمل کا دن ہے، ایک آنے والا کل جس کی محض امید ہی کی جاسکتی ہے (آنے کا یقین نہیں) اسی طرح مہینے تین ہیں' رجب تو گذر گیا۔ رمضان تک زندگی کا کیا یقین، پس شعبان جو موجود ہے اطاعت و عبادت کے لئے اسے غنیمت سمجھنا چاہئے۔ حضور ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا۔ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو،

(۱) بڑھاپے سے پہلے جوانی کو
(۲) بیماری سے پہلے صحت کو
(۳) مفلسی سے پہلے تونگری کو
(۴) مشغول ہونے سے پہلے فرصت کو
(۵) مرنے سے پہلے زندگی کو (غنیۃ الطالبین)

حضرت اُنس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے فرمایا۔ رجب کی فضیلت باقی مہینوں پر ایسی ہے جیسے دوسرے کلام پر قرآن پاک کی فضیلت اور تمام مہینوں پر شعبان کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام انبیاء پر میری فضیلت اور دوسرے مہینوں پر شعبان کی فضیلت ایسی ہے جیسے تمام کائنات پر اللہ کی فضیلت' (غنیۃ)

شیخ ابونصر نے بالاسناد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس طرح مسلسل روزے رکھتے تھے کہ ہم خیال کرنے لگتے حضور کسی دن کا روزہ نہیں چھوڑیں گے اور جب آپ روزہ دار نہ ہوتے، ہم خیال کرتے آپ ﷺ اب روزہ نہیں رکھیں گے؟ آپ ﷺ کو شعبان کے روزے بہت زیادہ محبوب تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا سبب ہے کہ آپ ماہ شعبان میں (

بکثرت) روزے رکھتے ہیں' آپ نے فرمایا' عائشہ! یہ ایسا مہینہ ہے کہ سال کے باقی عرصے میں مرنے والوں کے نام ملک الموت کو لکھ کر اس ماہ میں دے دیئے جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میرا نام ایسی حالت میں اسے دیا جائے کہ میرا روزہ ہو۔ (غنیۃ شریف)

شب برات: یوں تو یہ سارا مہینہ رحمت و برکت کا مہینہ ہے مگر اس کی پندرھویں رات جسے شب براٗت کہتے ہیں بہت فضیلت وعظمت والی رات ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک قرآن حکیم میں اسے لیلۃ مبارکۃ یعنی برکت والی رات کہا گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ نصف شعبان کی رات میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور مشرک، کینہ پرور، قطع رحمی کرنے والے اور بدکار عورت کے سوا سب کو بخشش دیتا ہے ابونصر نے بالاسناد مروہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، ایک رات میں نے حضور رسول اللہ ﷺ کو بستر پر نہ پایا تو (آپ کی تلاش میں) گھر سے نکلی۔ میں نے دیکھا آپ بقیع (کے قبرستان) میں موجود ہیں اور آپ کا سر انور آسمان کی طرف اٹھا ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے مجھے دیکھ کر فرمایا، کیا تمہیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تمہاری حق تلفی کریں گے۔ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ میرا گمان تو یہ تھا کہ آپ کسی بی بی کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات آسمان دنیا پر جلوہ فرما ہوتا ہے اور بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کے شمار سے زیادہ لوگوں کی بخشش فرما دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "میرے پاس نصف ماہ شعبان کی شب جبرئیل آئے اور کہا یا رسول اللہ! آسمان کی طرف اپنا سر انور اٹھایئے" میں نے ان سے پوچھا "یہ کون سی رات ہے؟" انہوں نے کہا "یہ وہ رات ہے جس میں اللہ تعالیٰ رحمت کے تین سو دروازے کھول دیتا ہے۔ اور ہر اس شخص کو بخش دیتا ہے جس نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا بشرطیکہ وہ جادوگر، کاہن، سود خور، زانی اور عادی شرابی نہ ہو۔ ان لوگوں کی رب تعالیٰ بخشش نہیں کرتا جب تک وہ توبہ نہ کرلیں پھر جب رات کا چوتھائی حصہ گذر گیا تو جبرئیل پھر آئے اور کہا "یا رسول اللہ! اپنا سر مبارک اٹھایئے! آپ نے ایسا ہی کیا دیکھا کہ جنت کے دروازے کھلے ہیں اور پہلے دروازے پر ایک فرشتہ پکار رہا ہے' خوشی ہو اس شخص کے لیے جس نے اس رات رکوع کیا۔ دوسرے دروازے پر ایک اور فرشتہ ندا دے رہا ہے، خوشی ہو اس شخص کے لیے جس نے اس رات سجدہ کیا۔ تیسرے دروازے پر ایک اور فرشتہ کہہ رہا ہے، خوشی ہو اس کے لئے جس نے اس رات دعا کی۔ چوتھے دروازے پر ایک اور فرشتہ پکارتا ہے، خوشی ہو اس رات ذکر کرنے والوں کو۔ پانچویں دروازے پر ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے، خوشی ہو اس کے لئے جو خوف خدا میں اس رات رویا۔ چھٹے دروازے پر ایک اور فرشتہ پکارتا ہے، اس رات تمام مسلمانوں کو خوشی ہو۔ ساتویں دروازے پر ایک اور فرشتہ کہتا ہے، کیا ہے کوئی مانگنے والا کہ اس کی آرزو اور طلب پوری کی جائے۔ آٹھویں دروازے پر فرشتہ آواز دیتا ہے، کیا کوئی معافی مانگنے والا ہے کہ اس کے گناہ معاف کیے جائیں۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں، میں نے پوچھا۔ "جبرئیل یہ دروازے کب تک کھلے رہیں گے" جبرئیل نے کہا "اول شب سے طلوع فجر تک"۔ اس کے بعد جبرئیل نے کہا، یا محمد (ﷺ) اس رات میں رہائی پانے والوں کی تعداد بنی کلب کی بکریوں کے بالوں کے برابر ہوگی

حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

"کسی کو اس رات سعادت نصیب ہوتی ہے تو کسی کو شقاوت۔ کسی کو جزا دی جاتی ہے تو کسی کو رسوا کیا جاتا ہے، کسی کو سرفراز کیا جاتا ہے تو کسی کو سرنگوں۔ کسی کو اجر دیا جاتا ہے تو کسی کو جدا کیا جاتا ہے۔ بہت سے کفن دھوئے ہوئے تیار رکھے ہوتے ہیں لیکن کفن پہننے والے (لاعلمی وغفلت کی بنا پر) بازاروں میں گھوم رہے ہوتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کی قبریں کھدی ہوتی ہیں اور وہ خوشی میں مگن ہوتے ہیں۔ بہت سے چہرے ہنس رہے ہوتے ہیں حالانکہ ان کی موت سر پر کھڑی ہوتی ہے۔ ادھر بہت سے مکان نو کی تعمیر قریب تکمیل ہوتی ہے ادھر ان کے مالک کوچ کو تیار ہوتے ہیں"۔ (غنیۃ الطالبین)

مختصر یہ کہ شب براٗت ذکر و فکر، مجاہدو مراقبہ، رکوع وسجود اور تلاوت و درود وسلام کے لئے وقف ہونی چاہئے۔ اپنے گذشتہ اعمال بد پر ندامت کا اظہار کر کے بخشش کی دعائیں مانگنی چاہئیں اور آئندہ نیک اعمال کے لیے کمربستہ ہو جانا چاہئے۔ یوں تو جب بھی اپنے بزرگوں اور دوسرے فوت شدہ بہن بھائیوں کو ایصال ثواب کیا جائے بہتر ہے، مگر اس رات کو اور بھی زیادہ بابرکت ہے۔ یونہی زیارت قبور خصوصیت کے ساتھ اس رات کے اچھے اعمال میں سے ہے۔

نہایت افسوس کی بات ہے کہ اتنی مقدس رات کو بھی بعض لوگ کھیل کود میں ضائع کر دیتے ہیں۔ آتش بازی، لہولعب اور پٹاخے چھوڑنا یوں بھی مناسب نہیں مگر اس رات کو اور بھی غلط ہے۔ احادیث و روایات نے کتنی تاکید کے ساتھ اس رات کو ذکر و فکر اور دن کو روزہ رکھنے کی تلقین فرمائی مگر ہم ہیں کہ انجام سے بے پرواہ ہو کر جو جی میں آئے کر گزرتے ہیں۔ اسی کو شعور کی موت کہا جاتا ہے۔

قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ کیسا پاکستان چاہتے تھے؟

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی (مرحوم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس نقطۂ نظر کی ایک سے زائد تعداد جو تقریباً اجماع کے درجے میں شامل ہے، کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ بانی پاکستان کے سامنے پاکستان کے قیام کا مقصد ایک ۔۔۔۔عظیم اسلامی ریاست۔۔۔۔کا قیام تھا، اور اس کی سب سے بڑی دلیل دو قومی نظریے کا پرچار اور چرچا ہے، اور دو قومی نظریے کی اساس و بنیاد بجز اسلام کے اور کچھ نہیں تھی، اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ ہندو ایک الگ قوم ہے اور مسلمان ایک جداگانہ قوم! چنانچہ جب بعض اہل اسلام نے وطن کو قومیت کی بنیاد ثابت کرنا چاہا تو مصور پاکستان علامہ اقبال رحمہ اللہ علیہ نے بلاتوقف وطن کے پیرہن کو مذہب کے کفن سے تعبیر کیا، اور بانی پاکستان نے بڑے مضبوط استدلال کے ساتھ ثابت کیا کہ قومیت کی جو بھی تعریف متعین کی جائے، مسلمان بہرحال ایک الگ قوم کے معیار پر پورے اترتے ہیں، خواہ ایک خطے میں کثرت آبادی کو معیار بنایا جائے، تہذیب وتمدن کو پیمانہ قرار دیا جائے، زبان اور رسم رواج کو بنائے قومیت سمجھا جائے یا کوئی دوسرا بیرومیٹر ایجاد کیا جائے، مسلمان ایک الگ قوم نظر آئیں گے۔

پاکستان کے قیام کی ایک تعبیر بعض مخصوص حلقوں کی طرف سے یہ بھی پیش کی جاتی ہے کہ قائداعظم کے ذہن میں ایک اسلامی پاکستان کا نہیں بلکہ سیکولر پاکستان کا خاکہ تھا، یہ علمی بحث بھی اپنی تمام ترکج فکری اور کوتاہ نظری کے باوجود بہرکیف ایک عرصے سے چل رہی ہے، ایک خیال یہ بھی ہے کہ پاکستان کا وجود کسی نظریاتی پس منظر میں نہیں بلکہ خالصتاً معاشی حوالے سے' مسلمانان ہند کی ایک ضرورت کا درجہ اختیار کر گیا، اس لئے کہ ہندو نے ایک طرح سے معاشی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی جس سے اسلامیان ہند زبردست محرومی اور استحصال کا شکار بنے ہوئے تھے، اس حلقے کا ایک اپنا طرز استدلال ہے، لیکن غالب اور درست نقطۂ نظر اول الذکر موقف ہے کیونکہ جتنی صراحت اور وضاحت قائداعظم کی تقریروں، پریس کانفرنسوں، اخباری بیانات، نجی گفتگوؤں اور انٹرویو میں اول الذکر موقف کی تائید وتصوب میں نظر آتی ہے وہ دوسروں میں ہرگز نہیں اور اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ہندوستان کے دور دراز گوشوں میں بسنے والے مسلمانوں کا تحریک پاکستان کے لئے جوش اور ولولہ اور قیام پاکستان کا والہانہ خیر مقدم اور قائداعظم کی پرشکوہ قیادت پر متفقہ اعتماد واتفاق صرف اور صرف اسلامی تشخص کے حوالے سے تھا ورنہ کروڑوں مسلمانوں کو اس وقت تو 'سیکولر' کا معنی ہی نہیں آتا تھا کجا کہ وہ سارے پس منظر اور محرکات سے آگاہ ہوتے، پشاور سے راس کماری تک کے مسلمانوں کا رد عمل اور وہ بھی خوشگوار رد عمل اسلامی جذبے اور دینی عقیدے کی بنیاد پر تھا نہ کہ کسی شخصی مفادات اور معاشی مراعات کے باعث! خلافت کا ادارہ جب تک موجود رہا جو اگرچہ اہل اسلام کے لئے کسی سیاسی، روحانی، معاشی اور نظریاتی تقویت کا موجب نہیں تھا پھر بھی نفسیاتی اعتبار سے ان کے لئے ایک بڑا سہارا تھا، جب خلافت تحلیل کر دی گئی تو اہل اسلام میں پھر سے Nostalgia کا جذبہ توانا ہو گیا، اور ایک ایسے الگ خطے اور تشخص کی ضرورت دوچند ہو گئی جس کا سارا تانابانا اسلام سے ترتیب دیا گیا ہو، جو نظریاتی مرکز ہو، اور جسے دنیا بھر میں ۔۔۔۔اسلامی ریاست۔۔۔۔ کا عمدہ نمونہ اور اسلامیان عالم کی آرزوؤں کا مظہر کہا جا سکے۔

اگر مسئلہ محض ایک ''سیکولر پاکستان'' کا ہوتا جو اسلامی احکام و

تعلیمات کا تجربہ گاہ نہ ہوتا تو پھر ایک بڑے "سیکولر ہندوستان" کے ہوتے ہوئے ایک نسبتاً چھوٹے سیکولر ملک کی کیا ضرورت تھی؟ اگر سر پھوڑنا ہی مقدر ٹھہرا۔ تو پھر اے سنگدل تیرا ہی سنگ آستاں کیوں ہو؟ اور اگر معاشی، خوشحالی اور اقتصادی ترقی پیش نظر تھی تو بھی جیسے امکانات ایک بڑے ملک میں اس ترقی کے ہو سکتے تھے وہ نسبتاً ایک چھوٹے اور نوزائیدہ ملک میں کیسے ہو سکتے تھے؟ عام مسلمانوں نے تو اپنے معاشی مفادات داؤ پر لگا کر اور بہت سارا خسارا برداشت کر کے تحریک پاکستان کا ساتھ دیا تھا۔

ہاں اگر مسلمانوں کو مستحکم مرچنٹ کلاس اور جاگیرداروں کے مفادات کا تحفظ مقصود تھا۔ تو یہ کوئی ایسا اعلیٰ نصب العین نہیں ہو سکتا جس کے لئے جان، مال اور آبرو کی قربانی دی جاتی، لیکن اس سب کچھ کے باوجود یہ بحث ہنوز جاری ہے کہ پاکستان کا جذبہ محرکہ ایک اسلامی فلاحی مملکت کا قیام تھا یا ایک ویسٹرن لبرل سٹیٹ؟

اس بحث کو علمی دائرے میں اور پھیلایا جا سکتا ہے، حلقہ علم و دانش میں اس پر موافق و مخالف آراء پیش کی جا سکتی ہے اور مختلف سیاسی مکاتب فکر اس پر اپنے اپنے تحفظات پیش کر سکتے ہیں، مگر اس وقت جو پاکستان کی دینی، سیاسی اور اقتصادی حیثیت ہے یہ کم از کم اقبال رحمہ اللہ علیہ کے خواب کی تعبیر اور قائد کے افکار کی تصویر ہر گز نہیں پہلی بحث میں اختلاف کی ہزار گنجائشیں نکل سکتی ہیں بشرطیکہ شائستہ عنوان اور مہذب اور معقول استدلال کے ساتھ بات ہو لیکن کسی کے وہم و گمان میں نہیں تھا۔

پاکستان کو تو اسلامیان ہند کے لئے ٹھوس تشخص فراہم کرنا تھا کجا کہ آج پاکستان خود اپنے تشخص سے محروم نظر آتا ہے۔ کہنے کو تو اسلامی جمہوری پاکستان ہے لیکن ہمارے حکمرانوں کے لئے اسلام ایک الزام کے درجے پر رہ گیا ہے، رہ گئی جمہوریت تو اس کا حال نہ اپنوں سے پوشیدہ ہے اور نہ عزیزوں سے مخفی!

پاکستان کا جذبہ محرکہ "سیکولر سٹیٹ" کا قیام ہی مان لیا جائے جس کا مفہوم آزادی فکر اور رواداری بیان کیا جاتا ہے تو یہ آزادی فکر اور رواداری کس شعبے میں ہے؟ نہ سیاسی سطح پر رواداری نظر آتی ہے اور نہ مذہبی حلقوں میں اس کا عکس ملتا ہے۔ رہ گئی آزادی فکر اس کا تو نام و نشان نہیں البتہ آوارگی فکر کے مظاہر و مناظر ہر قدم دیکھنے کو ملتے ہیں

اسی طرح پاکستان کے قیام کا جواز معاشی خوشحالی اور غیروں کے استحصال سے نجات ہی کو تسلیم کر لیا جائے تو بھی بات بنتی نظر نہیں آتی، عام آدمی کے لئے معاشی و اقتصادی حالات آج بھی وہی ہیں جو متحدہ ہندوستان کے وقت تھے۔ صرف استحصال کرنے والوں کے نام اور ان کے کاروبار کی نوعیت بدلی ہے' استحصال بدستور جاری ہے، یہ کہنا اور تسلی دینا کافی نہیں کہ پہلے ہندو بنیا استحصال کرتا تھا مگر اب ایک مسلمان صنعتکار اور جاگیردار استحصال کر رہا ہے محض اس لئے اس استحصال کو 'مشرف بہ اسلام" سمجھ لیا جائے' اور ایک گونہ دل کو بہلا لیا جائے۔

کسی سیاسی دانشور اور مفکر سے نہیں ایک عام آدمی سے پوچھ لیا جائے کہ قائد اعظم کیسا پاکستان چاہتے تھے؟ اور ٹی وی پر ان کی تصویروں کے ساتھ دکھائے جانے والے اقتباسات سے کیسے پاکستان کی تصویر سامنے آتی ہے؟ تو وہ بلا توقف یہ جواب دے گا کہ علامہ اقبال نے ایک ایسے پاکستان کا خواب دیکھا تھا قائد اعظم نے ایک ایسے پاکستان کی تحریک برپا کی تھی اور اسلامیان ہند نے ایک ایسے پاکستان کے لئے اپنا سب کچھ نذر کر دیا تھا، جس پاکستان میں کسی بادشاہ، وائسرائے، چودہری، اور رئیس کا قانون نہیں بلکہ اللہ و رسول ﷺ کا قانون نافذ ہو گا جو ہر ایک کو عزت نفس، مساوات اور انصاف کی ضمانت فراہم کرے گا۔

جس پاکستان میں چند خاندانوں کو سیاسی و معاشی اجارہ داری نہیں ہو گی بلکہ ہر شخص کو اس کی ذہنی و علمی اور فکری و فنی صلاحیت کے مطابق ترقی کے مواقع میسر آئیں گے، جس پاکستان کا اقتدار اعلیٰ اس کے عوام کے پاس ہو گا نہ کہ باہر کی طاقتیں اس پر اپنا حق حاکمیت جتائیں گی۔ جس پاکستان میں ایسی تفریق اور ایسے امتیاز کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی کہ حکمرانوں کی اولاد ہمیشہ حاکم رہے گی اور ہاری کا بیٹا ہاری رہے گا۔

جس پاکستان میں افراد نہیں بلکہ ادارے مضبوط ہوں گے تا کہ جس کا جو بھی حق بنتا ہے اسے بلا تردد مل جائے، اس کا حق بہت بڑا احسان سمجھ کر اسے نہ لوٹایا جائے، تمام بحثوں سے قطع نظر یہی وہ پاکستان تھا جسے قائد اعظم نے حاصل کرنا چاہا اور حاصل کیا لیکن پچاس برس قبل دیکھا جانے والا خواب ابھی تشنہ تعبیر اور پردہ ذہن پر ابھرنے والا خاکہ محتاج تکمیل ہے، گویا تشکیل پاکستان کا ایک معرکہ سر ہوا ہے' تکمیل پاکستان کا مرحلہ ابھی باقی ہے۔

☆......☆......☆

جھوٹا

فاتح مرزائیت علامہ طاہر عبدالرزاق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شنکر داس آج بہت خوش تھا' اس کی خوشیوں کا سمندر بیکراں تھا۔ آج اسے محکمہ نہر کی جانب سے ملازمت کا لیٹر ملا تھا۔ بحیثیت سینئر کلرک لاہور میں اس کی تعیناتی ہو چکی تھی۔ اب اسے فوری طور پر اپنا آبائی شہر لدھیانہ چھوڑ کر لاہور جانا تھا۔ وہ مسرت بھری سیٹیاں بجاتا ہوا اپنے ساتھ لے جانے والا ضروری سامان اکٹھا کر رہا تھا۔ اگلے دن بذریعہ ٹرین اس کی لاہور روانگی تھی۔ وہ ماں باپ کا سب سے بڑا بچہ تھا اور ان کی آنکھوں کا تارا تھا۔ ماں نے بھیگی آنکھوں کے ساتھ اپنی دعاؤں کی چھاؤں میں اسے روانہ کیا۔ وہ لاہور پہنچا تو سیدھا اپنے دفتر گیا اور اپنی آمد کی رپورٹ کی۔ آفس سپرنٹنڈنٹ نے اسے اسی دن سے کام شروع کرنے کا حکم دیا اور اس نے کرسی پر بیٹھ کر اپنے دفتری کام کا افتتاح کر دیا۔ لاہور میں شنکر داس کا کوئی بھی جاننے والا نہ تھا۔ اس لیے اسے پہلے چند دن ہوٹل میں گزارنے پڑے۔ پھر اسے محکمہ کی طرف سے کوارٹر دے دیا گیا۔ اس کے کوارٹر کی اگلی لائن میں اس کا سپرنٹنڈنٹ بھی رہتا تھا' جو دفتر میں سپرنٹنڈنٹ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک زبردست قادیانی مبلغ بھی تھا

ایک دن قادیانی سپرنٹنڈنٹ نے اپنی بیوی کو کہا کہ ہمارے دفتر میں ایک ہندو لڑکا بھرتی ہوا ہے' جو مبالغے کی حد تک خوبصورت اور انتہائی وجیہہ ہے۔ لاہور شہر میں نیا نیا آیا ہے' یہاں اس کی کسی سے جان پہچان نہیں۔ کسی اچھے گھر کا فرد معلوم ہوتا ہے کیوں نہ اس پر محنت کر کے اسے قادیانی بنا لیا جائے۔ پہلے اسے اپنے اخلاق کے آئینے میں اتار کر اپنا گرویدہ کیا جائے پھر اس کے ذہن کو قادیانیت کی غذا دی جائے اور آہستہ آہستہ اس کے دماغ پر قادیانیت کی حکمرانی قائم کر دی جائے۔

سپرنٹنڈنٹ کی بیوی کو اپنے خاوند کی تجویز تو بہت پسند آئی لیکن اس نے اس میں تھوڑی سی ترمیم کرتے ہوئے کہا کہ تمہیں پتہ ہے' اپنی رضیہ جوان ہو چکی ہے اور مجھے اس کے رشتے کی سخت فکر ہے' کیوں نہ اسے دام محبت میں پھنسا کر سول میرج کر لی جائے۔ کچھ دیر بعد اولاد کے جنجال میں پھنس کر خود ہی قادیانی ہو جائے گا۔ سپرنٹنڈنٹ جو اپنی بیوی سے زیادہ کٹر قادیانی تھا اس نے غصہ میں اپنی بیوی کی بات کو رد کرتے ہوئے کہا کہ ہم اپنی بیٹی کی شادی کسی ہندو سے نہیں کر سکتے' تم بے فکر رہو' میں اسے بہت جلد قادیانی بنا لوں گا اور ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں گے۔

اگلی صبح سپرنٹنڈنٹ نے ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت شنکر داس کو اپنے پاس بلایا اور کہا:

''بیٹا تم اپنا وطن چھوڑ کر پردیس میں آئے ہو۔ تمہیں ماں باپ اور بہن بھائیوں کی یاد ستاتی ہو گی لیکن تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت' ہم تمہارے ماں باپ ہیں' ہمارے بچے تمہارے بہن بھائی ہیں' جب بھی تمہارا دل اداس ہو' بے دھڑک ہمارے ہاں چلے آؤ' ہمارا گھر تمہارا گھر ہے اور تم ہمارے فیملی ممبر ہو اور ہاں ۔۔۔۔۔۔ آج شام کا کھانا تمہیں ہمارے ساتھ کھانا ہو گا۔ ضرور آنا میں انتظار کروں گا''۔

شنکر داس مسکرایا اور اس نے دعوت قبول کر لی۔ شام کو وہ سپرنٹنڈنٹ کے گھر پہنچ چکا تھا۔ سپرنٹڈنٹ نے ایک پر تکلف دعوت کا اہتمام کیا تھا۔ کھانے کے بعد سپرنٹڈٹ نے شنکر داس سے اپنی بیوی اور بچوں کا تعارف کرایا اور پہلی ہی ملاقات میں آپس میں بہت بے تکلفی ہو گئی۔ دعوت سے فارغ ہونے کے بعد شنکر داس جب گھر پہنچا تو وہ سپرنٹنڈنٹ اور اس کے اہل خانہ سے بہت متاثر تھا۔ اسے پردیس میں

اپنے گھر کی محبت ملی تھی۔ اسے غریب الوطنی میں ماں باپ کا پیار ملا تھا اور اسے اپنے گھر سی مہک محسوس ہوئی تھی۔

سپر ٹنڈنٹ دعوت کی سیڑھی کے ذریعے شنکر داس کے دل میں اتر چکا تھا اور اس کے دل میں اپنے اعتماد کا ٹھپہ لگا چکا تھا۔ پھر سپر نٹنڈنٹ گاہے گاہے اسے چائے اور کھانے پر بلاتا رہا۔ ایک دن سپر ٹنڈنٹ نے اپنی بیوی سے کہا'' اب شنکر داس کافی حد تک ہمارے اخلاق کے آئینے میں اتر چکا ہے اور وہ ہمیں اپنا محسن اور غم خوار سمجھتا ہے' لہٰذا اب کیوں نہ اس پر قادیانی تبلیغ کا عمل شروع کیا جائے؟''

''ہاں ہاں' کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر ہمیں اسے قادیانی بنانے کا کام شروع کر دینا چاہیے''۔ سپر ٹنڈنٹ کی بیوی نے متفکرانہ انداز میں کہا۔ دو دن بعد سپر نٹنڈنٹ نے شنکر داس کو اپنے ہاں چائے پر مدعو کیا۔ چائے کے دور کے بعد گفتگو کا دور شروع ہوا۔ شکار پر گھات لگائے حملہ کرنے والے مگر مچھ کی طرح بیٹھے ہوئے سپر ٹنڈنٹ نے اس سے کہا:

''بیٹا! یہ بھولی بھالی دنیا بڑی دیر سے مسیح موعود اور امام مہدی کا انتظار کر رہی ہے۔ دنیا والوں کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ امام مہدی اور مسیح موعود دو شخصیات نہیں بلکہ ایک ہی شخصیت ہے اور اس محترم شخصیت کا نام مرزا غلام احمد قادیانی ہے' جو قادیان میں تشریف لائے اور اپنا فریضہ ادا کر کے قادیان ہی میں انتقال کر گئے اور ان کی قبر بھی قادیان میں ہے''۔ پھر سپر نٹنڈنٹ نے مرزا قادیانی کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے کہا:

''مرزا غلام احمد قادیانی صاحب اللہ کے نہایت برگزیدہ نبی تھے۔ اس دنیا میں ان کے ہاتھوں لاکھوں معجزات رونما ہوئے۔ لاکھوں بھٹکے ہوئے انسانوں کو ان کے ذریعے ہدایت کی روشنی نصیب ہوئی۔ وہ اللہ کے اتنے محبوب نبی تھے کہ اللہ پاک نے ان کی ذات میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کی صفات جمع کر رکھی تھیں۔ انہوں نے وہ وہ معرکے سر کیے جو کسی نبی سے نہ ہو سکے۔ بیٹا سنکر داس! ہمیں بھی سچائی اور حقانیت سے محبت کرنی چاہیے اور کائنات کے اس عظیم سچے اور حق پرست انسان سے محبت کرنی چاہیے اور اس سے ایک طاقتور تعلق پیدا کر لینا چاہیے''۔

شنکر داس مسکرا مسکرا کر سپر نٹنڈنٹ کی باتیں سنتا رہا۔ جس سے سپر نٹنڈنٹ یہ تاثر لیتا رہا کہ اس کی باتیں شنکر داس کے دل میں اتر رہی ہیں اور اس کے چہرے کی مسکراہٹ اس بات کی تصدیق کر رہی ہے۔ سپر ٹنڈنٹ خوشی سے پھول کر کپا ہو رہا تھا۔ وہ بہت خوش تھا کہ اس کی گفتگو کے ابتدائی تیر عین اپنے ہدف پر لگے ہیں۔ شنکر داس کے جانے کے بعد اس نے اپنی بیوی کو خوشخبری دی کہ شنکر داس نے بہت خوشی خوشی میری باتیں سنی ہیں اور میری باتیں اس کے چہرے پر مسکراہٹ کے پھول کھلاتی رہی ہیں' بس عنقریب شکار اپنے قفس میں مقید ہو گا۔

شنکر داس جب گھر پہنچا تو سارے دن کی تھکاوٹ کی وجہ سے وہ جاتے ہی چارپائی پر لیٹ گیا اور سوچ کی لمبی وادیوں میں سیاحت کے لیے نکل گیا۔ اس کے کانوں کے پردوں پر سپر ٹنڈنٹ کے جملے زور زور سے ٹکرا رہے تھے۔ لدھیانہ کا باسی ہونے کی وجہ سے وہ مرزا قادیانی کو جانتا تھا کہ وہ نبوت کا جھوٹا مدعی تھا۔ کیونکہ لدھیانہ کے مسلمان علماء نے سب سے پہلے مرزا قادیانی پر کفر کا فتویٰ جاری کیا تھا۔ اس نے اپنے باپ دادا کی زبانوں سے وہ عظیم داستانیں بھی سنی تھیں جو علمائے لدھیانہ نے جھوٹی نبوت کی سرکوبی میں رقم کی تھیں۔ اس لیے اس کے دل میں بھی اس جھوٹے نبی کے خلاف ایک نفرت تھی۔

چار پانچ روز بعد سپر نٹنڈنٹ نے پھر شنکر داس کو چائے پر بلایا بسکٹ اور کیک پیسٹری سے تواضع کی۔ چائے کے بعد اس شکاری نے اپنی گفتگو کے پھندے اپنے شکار کے گلے میں ڈالنے شروع کر دیئے۔ مرزا قادیانی کے معجزات کی کہانیاں سنائیں۔ اس کے اخلاق و کردار کے قصے سنائے۔ اس کی شرافت و صداقت کا تذکرہ کیا۔ اس نے زہد و تقویٰ کی مثالیں دیں۔ اس کی پیشین گوئیاں بیان کیں۔ سپر ٹنڈنٹ بے تکان بول رہا تھا اور شنکر داس اس کے ہر جملے کے جواب میں ہلکی ہلکی مسکراہٹ دے رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ سپر نٹنڈنٹ کو حوصلہ اور اطمینان عطا کر رہی تھی اور وہ خوشی سے ٹماٹر ہو رہا تھا کہ شکار جال میں آ چکا ہے۔ گھر پہنچ کر سپر ٹنڈنٹ نے اپنی بیوی کو ساری روداد سنائی اور بتایا کہ شنکر داس میری ہر بات کے آخر میں مسکراتا ہے اور اس کی مسکراہٹ اس کی اندرونی کیفیت کی نمائندہ ہوتی ہے اور میں اپنے تجربے کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ لڑکا' پچھتر فیصد قادیانی ہو چکا ہے' بس تھوڑے دنوں کی بات ہے کہ وہ قادیانی بھی ہو جائے گا اور رضیہ کا رشتہ بھی ہو جائے گا۔

ایک ماہر شاطر کی طرح تقریباً ایک ہفتہ کے بعد سپرنٹنڈنٹ نے شنکر داس کو پھر چائے پر بلایا۔ گرم گرم چائے کی چسکیوں کے دوران قادیانیت کی چسکیاں بھی چلتی رہیں۔ وہ بسکٹوں کے ساتھ ساتھ اسے قادیانی تعلیمات کے بسکٹ بھی کھلاتا رہا۔ شنکر داس جی جی کر کے سنتا رہا اور مسکراہٹیں بکھیرتا رہا' جس سے سپرٹنڈنٹ کے دل میں خوشی سے شہنائیں بجتی رہیں۔ رات زیادہ ہونے پر اس نے شنکر داس کو بڑے تپاک سے رخصت کیا اور جاتے ہوئے اسے ایک لفافہ میں قادیانی تعلیمات پر مبنی پمفلٹ اور چند کتابیں دیں اور کہا کہ بیٹا انہیں خوب غور سے پڑھنا۔ اب ہفتہ بھر کے بعد تم سے دوبارہ ملاقات ہوگی اور آئندہ کی نشست میں جی بھر کر باتیں ہوں گی۔ اس لٹریچر کو پڑھ کر اگر تمہارے دل میں شکوک وشبہات پیدا ہوں تو انہیں کسی کاغذ پر نوٹ کر لینا تا کہ ان نکات پر تفصیلی گفتگو ہو سکے۔

شنکر داس کے چلے جانے کے بعد سپرٹنڈنٹ نے اپنی بیوی کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا: ''ہاتھی گزر گیا ہے' اب صرف دم باقی ہے اور تم دیکھنا کہ میں کس ماہرانہ انداز میں یہ دم بھی گزادوں گا۔ میں نے ہر طرف سے اس کا محاصرہ کر لیا ہے اور دلائل کے تیروں کی یلغار سے اس کی سوچوں کو محبوس کر لیا ہے۔ اس کا دل میری ایک مٹھی میں اور دماغ میری دوسری مٹھی میں ہے۔ اس کے سر پر میرے احسانات کی بھاری گٹھڑی اور پاؤں میں میری افسری کی بھاری زنجیریں ہیں' اس لیے اب میں چاہتا ہوں کہ اسے مرزا قادیانی کا کلمہ پڑھا کر قادیانی بنا لیا جائے اور جو کیس آج سے دو ماہ قبل ہم نے شروع کیا تھا اپنی مراد کو پہنچے اور تیری مراد بھی پوری ہو''۔ بیوی نے خاوند کی باتوں سے اتفاق کیا اور کہا کہ آئندہ ملاقات آخری ہو اور اس ملاقات میں شنکر داس ہندو صف سے نکل کر قادیانی صف میں کھڑا ہو۔ آخر وہ دن آ گیا اور شنکر داس چائے پینے کے لیے سپرٹنڈنٹ کے گھر میں موجود تھا۔ چائے کی محفل کے بعد گفتگو کی محفل جمی۔ سپرٹنڈنٹ نے شنکر داس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''بیٹھا دنیا کی زندگی چندروزہ ہے اور آخرت کی زندگی دائمی۔ ہمیں اپنی حیات مستعار کے چند دن گزار کر اللہ کے دربار میں حاضر ہونا ہے اور اپنے عمل کا جواب دینا ہے۔ ایمان کے بغیر اعمال کا کوئی وجود نہیں عقیدہ صحیح نہیں تو بڑے سے بڑا عمل بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ بیٹا! اگر ایمان ہوگا تو بہشت کی بہاریں چشم براہ ہوں گی اور اگر ایمان نہیں ہوگا تو جہنم کی شعلہ زن آگ اسے ہڑپ کرنے کے لیے بیتاب ہوگی۔ بیٹا! تمہاری آخرت سنوارنے کے لیے میں آج تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ تم اللہ کے نبی اور رسول مرزا غلام احمد قادیانی پر ایمان لے آؤ اور ان کی نبوت کا اقرار کر لو' کیونکہ مرزا صاحب پر ایمان لانا سب نبیوں پر ایمان لانے کے مترادف ہے۔ مرزا صاحب کی تعلیمات پر ایمان لانا قرآن وحدیث کی تعلیمات پر ایمان لانا ہے اور مرزا صاحب کی تعلیمات کا اقرار کرنا اسلام کا اقرار کرنا ہے۔ میرے پیارے بیٹے! زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں' معلوم نہیں یہ سانسوں کی ڈور کب ٹوٹ جائے' اس لیے فوری طور پر مرزا صاحب کی نبوت پر ایمان لے آؤ اور ان کے نبی ہونے کا اقرار کر لو''۔

سپرنٹنڈنٹ کے اس فیصلہ کن سوال پر شنکر داس حسب معمول پھر مسکرایا اور بالکل خاموش رہا۔ ''میرے بیٹے! بولتے کیوں نہیں؟'' سپرٹنڈنٹ نے پوچھا۔ شنکر داس پھر خاموش رہا۔ ''بیٹے! کیا میری باتوں کی تمہیں سمجھ نہیں آئی؟'' سپٹنڈنٹ نے پوچھا۔ ''بالکل اور ہر طرح سے سمجھ آئی''۔ شنکر داس نے جواب دیا۔ ''تو پھر مرزا صاحب پر ایمان لے آؤ''۔ ''مرزا صاحب پر ایمان تو نہیں لا سکتا اور کبھی بھی نہیں لا سکتا''۔ ''میں دو مہینے تم سے گفتگو کرتا رہا۔ کیا میری باتوں کو تمہارے ذہن نے قبول نہیں کیا'' ''بالکل نہیں''۔ ''تو پھر میری گفتگو کے دوران تم مسلسل کیوں ہنستے رہتے تھے؟'' سپرنٹنڈنٹ نے غصہ سے پوچھا۔ ''ہنسی تو مجھے اس بات پر آتی تھی کہ ہم نے آج تک سچے نبی کو نہیں مانا اور تم جھوٹے کو منوا رہے ہو''۔ شنکر داس نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

☆☆☆

آپ کے خطوط

کس محبت کے نامے یہ میرے نام آتے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زبدۃ المفسرین، عمدۃ المحققین، الحاج علامہ مولانا محمد مقصود احمد چشتی قادری (خطیب جامع مسجد داتا گنج بخش لاہور) کا

26-08-2005

گرامی نامہ

مفکر اسلام، مجاہد اہل سنت، حضرت علامہ پیر طریقت، رہبر شریعت پروفیسر محمد حسین آسی صاحب، زید مجدہٗ

کی سرپرستی میں شائع ہونے والا ماہنامہ ''الحقیقہ'' کے مختلف پرچے نظر سے گزرے۔ مختلف مقامات سے ان کا مطالعہ کیا۔ جناب آپ کے دقیع اور محققانہ مضامین نے اسے دیگر تمام جرائد سے نمایاں اور مؤقر مقام عطا کیا ہے۔ موجودہ دور میں عقائد، اعمال اور سیاسیات میں اس رسالہ سے زیادہ بہتر رہنمائی کسی بھی جریدہ سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ اس کا انداز بیاں آساں، قابل فہم اور مدلل ہوتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس رسالہ کے فیض کو عام فرمائے اور اہل سنت وامت مسلمہ کا بہترین ترجمان بنائے آمین!

محمد مقصود احمد چشتی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

30-08-2005

محترمی ومکرمی جناب مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی صاحب دام اقبالکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آج سے تقریباً ایک سال قبل میرے ایک بہت ہی اچھے دوست جناب شمس الدین نقشبندی صاحب کی وساطت سے مجلّہ ''الحقیقہ'' کا قاری بننے کا موقع ملا۔ اپنی مصروفیات کے باعث مجلّہ ہذا کو مسلسل تو نہیں پڑھ سکا لیکن پھر بھی چند شمارے خوب دلچسپی سے پڑھے۔ اس مجلّہ میں چھپنے والا ہر مضمون قابل تعریف اور وقت کی اہم ضرورت ہے۔ خصوصاً آپ کے مضامین بعنوان ''توحید اور محبوبانِ خدا کے کمالات''، ''اتحادِ ملت کی ضرورت وصورت'' اور ''اسلام اور شیطان کے سپوت'' کو جس باقاعدگی سے تحریر کیا جارہا ہے۔ اور جس طرح ان میں الفاظ کی صحت کا خیال رکھا جارہا ہے یہ تو اپنی مثال آپ ہیں۔ ان مضامین کے مطالعہ سے نہ صرف قاری کے ایمان کی درستگی ہورہی ہے بلکہ ایمان پختہ بھی ہورہے ہیں، علاوہ ازیں علامہ طاہر عبدالرزاق صاحب کا مضمون ''آخری ٹیسٹ'' جو مجلّہ کے شمارہ مئی 2005ء میں شائع ہوا تھا کو پڑھ کر بندۂ ناچیز کو غازی علم الدین شہید جیسے کئی عاشقانِ رسول ﷺ کے بارے میں علم ہوا۔ یقین جانئے! مضمون کو پڑھتے وقت میرا دل دہل گیا تھا۔ سوچتا ہوں کہ آج میرے سمیت اکثر مسلمان اپنی ذمہ داریوں کو کیونکر بھول چکے ہیں۔ جیسے علامہ طاہر صاحب نے کہا کہ آج ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے، اور اپنی آخرت کو بھول کر گناہوں کی دلدل میں پھنستے جارہے ہیں، میں مجلّہ الحقیقہ کی انتظامی کمیٹی کے تمام اراکین کا شکریہ ادا کرتا ہوں جو اپنی انتھک کاوشوں کی بدولت اس نیک کام سے لوگوں کے قلوب میں عشقِ مصطفیٰ ﷺ کو اجاگر کررہے ہیں، خصوصی طور پر میں دعا گوں ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے حبیب پاک صاحب لولاک ﷺ کے صدقے سے اللہ تعالیٰ آپکو صحت عاجلہ کاملہ عطا فرمائے اور آپکے اس نیک مشن میں مزید برکت عطا فرمائے (آمین)

شہزاد سلیم

(Student of Chartered Accountancy)

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

نعت شریف

جب ہم پہ ستم وقت کے شداد کریں گے
ہم رحمت کونین سے فریاد کریں گے

ہر حال میں ہم بندے انھیں یاد کریں گے
ہر حال میں وہ بندوں کی امداد کریں گے

جذبہ ہے کہ ہر شے ہو فدا نام نبی پر
گو خطرہ ہے ظالم بڑی بیداد کریں گے

کافی ہے زمانے میں ہمیں اسوۂ شبیر
ہم پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے

ہر رنج بدل جائے گا راحت میں یقیناً
جب جلوۂ دیدار سے وہ شاد کریں گے

کل دیکھنا کیا ہوتا ہے اعزاز ہمارا
جب اپنے غلاموں میں ہمیں یاد کریں گے

برباد وہ دنیا میں کبھی ہو نہیں سکتے
دل ذکر مدینہ سے جو آباد کریں گے

پیغام جو آزادی کا لائے ہیں جہاں میں
محشر میں بھی غم سے وہی آزاد کریں گے

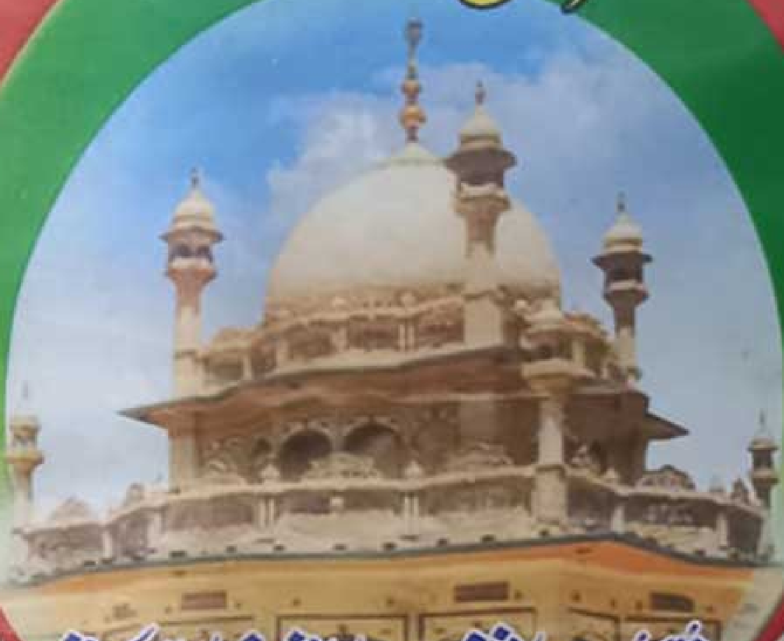
اب شیخ کے صدقے میں یہی ٹھانی ہے آسیؔ
تربت میں بھی سرکار کا میلاد کریں گے

پروفیسر محمد حسین آسیؔ

Monthly
Mujallah
AL-HAQIQA
September 2005
Reg. No. C.P.L 590

عرس مبارک

مرکزی سالانہ



بتاریخ

یکم 2 اکتوبر بروز ہفتہ اتوار 2005

حضرت پیر سید
علی حسین شاہ
نقش لاثانی

پیر سید
عابد حسین شاہ

قطب سبحانی محبوب ربانی شہباز لامکانی

حضرت پیر سید
جماعت علی شاہ
قدس سرہ النورانی
لاثانی

زیر سرپرستی

پیر سید
ظفر اقبال شاہ
دامت برکاتہم العالیہ
زیب سجادہ
آستانہ عالیہ لاثانیہ
علی پور سیداں شریف ضلع نارووال

منجانب
بزم لاثانی پاکستان